بسم اللہ الرحمن الرحیم
فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون
(القرآن)
سلام میں اولاد کی تربیت
اور اسکے حقوق
تصنیف
حضرت مولانا مفتی محمد عبد السلام صاحب چاٹگامی مدظلہم العالی
رئیس دار الافتاء واستاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵
اسلامی کتب خانہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن ○ کراچی (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

(القرآن)

اسلام میں اولاد کی تربیت
اور اسکے حقوق

تصنیف

حضرت مولانا مفتی محمد عبد السلام صاحب چاٹگامی مدظلہم العالی

رئیس دارالافتاء واستاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

اسلامی کتب خانہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن ○ کراچی (پاکستان)

نام کتاب :- ــــــــــــ اسلام میں اولاد کی تربیت اور اسکے حقوق
مصنف : ــــــــــــ حضرت مولانا مفتی عبد السلام چاٹگامی مدظلہ
مطبوعہ :- ــــــــــــ ایم اے رحمٰن پرنٹنگ سروس کراچی فون ۷۷۲۹۲۴۹
ناشر :- ــــــــــــ اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

اَمَّا بَعْدُ!

بعض احباب نے بذریعہ خطوط بندہ کو اس طرف متوجہ کیا کہ حقوق الوالدین پر تو بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے گئے، مضامین آتے رہتے ہیں لیکن حقوق الاولاد پر خاص کوئی کتاب یا رسالہ ایسا نہیں ملتا جس کو مطالعہ کر کے حقوق الاولاد کا علم بھی حاصل ہو سکے اور انسان اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت، پھر ان کے نکاح اور شادی بیاہ کو قرآن و سنّت کے مطابق انجام دے سکے۔

لہٰذا اس پر جامع مسجد میں تقریر ہونی چاہیئے اور کوئی کتاب اگر مرتب ہو جائے تو بہت ہی بہتر ہے۔ زیر نظر مضمون اسی سلسلہ میں جامع مسجد عثمانیہ میں ہونے والی تقریروں کا مجموعہ ہے جس کو مزید اضافے کے بعد اخبار "جنگ" میں طباعت کے لئے دیا گیا تھا۔ مختلف اقساط میں مضمون کا تقریباً آدھا حصّہ روزنامہ "جنگ" میں چھپ چکا ہے۔ باقی آدھا حصّہ چھپنے سے رہ گیا ہے۔ بعض احباب کا اصرار ہے کہ پورے مضمون کو اگر کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے تو عام و خاص سب کو فائدہ ہو گا۔ چنانچہ بندہ نے مضمون پر نظرِ ثانی کر کے طباعت کی غرض سے دے دیا۔ خدائے ربّ ذو الجلال سے دُعا ہے کہ اسے قبول فرما کر مسلمانوں کے لئے نافع بنا دے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

اولادِ صالح نعمت خداوندی ہے

واضح رہے کہ اولاد چونکہ نعمت خداوندی ہے اس واسطے نکاح اور شادی کرنے کا مقصد ہر انسان کو اس نعمت خداوندی کے حصول کی تمنا ہونی چاہیئے۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَاكَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ » (سورۂ بقرہ - ۱۸۷)	سو اب تم اپنی بیویوں سے ملو اور تمہارے لئے جو لکھ دیا ہے اس کو طلب کرو۔

تشریح:۔ آیت مذکورہ کا نزول تو اس واسطے ہے کہ مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ اسی آیت کے نزول کے بعد سے رمضان المبارک کی راتوں کے کسی بھی حصّے میں بیوی سے مجامعت کرنا جائز ہے جبکہ ابتداء اسلام میں ماہِ رمضان المبارک کی راتوں میں سونے سے قبل کھانا پینا بیوی سے مجامعت کرنا جائز تھا پھر ایک مرتبہ اگر آدمی سو جاتا اور بیدار ہو جاتا۔ اس کے بعد کھانا پینا بیوی سے مجامعت کرنا حرام ہو جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کے پیش نظر پوری رات میں کسی بھی وقت سونے سے قبل یا سونے کے بعد مجامعت کرنے اور پوری رات میں کھانے پینے کو بھی حلال قرار دیا ہے لیکن ساتھ ساتھ اس بات سے بھی آگاہ فرما دیا کہ مجامعت اور مباشرت سے مقصد صرف طبعی شہوت اور جنسی ملاپ نہ ہو، بلکہ نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس جماع کے ذریعہ اولاد پیدا فرما دے اور اس جماع کرنے میں بھی اجر و ثواب عنایت فرما دے اور عفت و پاکدامنی کی زندگی نصیب فرما دے اور انسانی تناسل و توالد کا سلسلہ جاری رہے۔

سورۂ بقرہ کی ایک اور آیت سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

چنانچہ حق جلّ مجدہ کا ارشاد ہے۔

«نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ»

(سورۂ بقرہ - ۲۲۳)

تمہاری بیویاں تمہارے لئے بمنزلہ کھیت ہیں سو اپنے کھیت میں جس طرف سے چاہو آؤ اور آئندہ کے واسطے اپنے لئے کچھ کرتے رہو اور اللہ تعالے سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ بیشک تم اللہ تعالی کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور ایسے ایمانداروں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

تشریح:۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کے واسطے بیوی کو کھیت ہونا بتلایا ہے گویا بیوی کو کھیت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ خداوند کریم کی اس تشبیہ بلیغ میں جہاں بے شمار مصالح و حِکَم ہیں وہاں پر یہ نکتے بھی سمجھ میں آتے ہیں۔

الف: جیسا کہ مالک زمین اصل اور متبوع ہوتا ہے اسی طرح بیوی کے حق میں شوہر اصل اور متبوع ہے اور زمین کی حیثیت جیسے تابع اور ماتحت کی ہوتی ہے اس طرح بیوی کی حیثیت تابع اور ماتحت کی ہے۔

(ب) جس طرح زمین غذائی پیداوار کا ذریعہ ہوتی ہے اسی طرح بیوی انسانی پیداوار کا سبب ہوتی ہے۔

(ج) مالک زمین کو جس طرح اختیار ہوتا ہے کہ اپنی مملوکہ اور زیر تصرف زمین میں جس طرح اور جس طریقہ پہ چاہے شرعی حدود میں رہتے ہوئے کھیتی کرے اور اپنی زمین تک پہنچنے کے لئے جو بھی راستہ چاہے اختیار کرے اس میں زمین کی رضامندی و عدم رضامندی کا کوئی دخل نہیں ہوتا اس طرح شوہر کو حق حاصل ہے، کہ اپنی بیوی کے پاس مجامعت اور مباشرت کے واسطے جس طریقہ

پر آنا چاہے آسکتا ہے بیوی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔

غرض بیویوں کو کھیت کے ساتھ تشبیہ دینے میں سب سے اہم بات جو معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بیویاں نسل انسانی کو پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہیں. ظاہر ہے اولاد، پھر اولاد کی اولاد پیدا ہونے سے یہ سلسلۂ نسل جاری رہے گا اسی مقصد سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تزوّجوا الودود الولود فانّی مکاثر بکم الأمم۔	محبّت کرنے والی اور کثرت سے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ قیامت کے روز میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔
(مشکوٰۃ ابوداؤد ص ۲۸۰ ج ۱)	

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کا ہونا بہت بڑی نعمت ہے اور باعثِ فخر ہے ویسے بھی طبعی وفطری طور پر انسان شادی کے بعد اولاد کی خواہش کرتا ہے اولاد پیدا ہونے پر اکثر اظہارِ مسرت کرتا ہے۔ اس کے برعکس اولاد نہ ہونے کی صورت میں میاں بیوی دونوں احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ ان کے لواحقین و متعلقین بھی حسرت زدہ اور رنجیدۂ خاطر نظر آتے ہیں پھر اس کے حصول کے لئے طرح طرح کی کوششیں اور تدابیر اختیار کرتے ہیں اس کے نظائر بے شمار ملیں گے۔ علاج و معالجہ سے کام لیتے ہیں، دعا کرتے ہیں، کراتے ہیں یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اولاد پیدا ہو، گھر کی رونق میں اضافہ ہو جو کچھ کسب و کمائی کر رہا ہے اسے استعمال کرنے والا ملے۔

انسانی تاریخ میں دو جلیل القدر پیغمبر ایسے بھی ملتے ہیں جنہوں نے شادی کے بعد جوانی کا طویل عرصہ گذار دیا لیکن ان کے یہاں کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی پھر آخیر عمر میں جا کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اولادِ صالح کی درخواست کی، دعائیں کیں،

اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے انہیں ایسی اولاد عطا فرمائی جو کہ نہ صرف صالح اور نیک تھی بلکہ خداوند تعالیٰ کے یہاں برگزیدہ پیغمبر اور نبی بھی تھے۔

اولاد کے واسطے دعا کرنے والے پیغمبر ایک تو خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام ہیں اور دوسرے حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو نبی و پیغمبر صاحبزادے حضرت اسحاق و حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام سے نوازا گیا اور حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کو حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی صورت میں ایک پیغمبر صاحبزادہ سے نوازا گیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ اولاد صالح کا پیدا ہونا حق جل شانہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے لیکن اگر اولاد صالح نہ ہوئی تو پھر یہ مستقل فتنہ اور عذاب ہے بلکہ دنیوی و اُخروی ہر اعتبار سے ایسی اولاد دشمنِ عظیم بن کر سامنے آتی ہے۔

چنانچہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حق جل شانہ نے قرآن حکیم کے اندر ارشاد فرمایا:

((یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(سورہ تغابن - ۱۵)

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر درگذر کرو اور انہیں معاف کردو تو یہ بھی جائز ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والے اور رحم کرنے والی ذات ہیں۔

ایک دوسری آیت میں مال اور اولاد کو فتنہ اور آزمائش کا سبب کہا گیا ہے۔ چنانچہ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:۔

"اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ" (سورہ تغابن - ۱۵)
بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب آزمائش کے سبب ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ اولاد کا صالح ہونا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اولاد کا غیر صالح ہونا بہت بڑا فتنہ اور آزمائش کا سبب ہے۔ مال اور اولاد کی وجہ سے اگر دین اور دین کے احکام پر عمل نہیں ہو سکتا ہے تو یہ بُرا ہے اور اگر اولاد اور مال دین پر چلنے میں مانع نہیں ہے تو اولاد اور مال بُرے نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے جن لوگوں کے یہاں اولاد نہیں ہے انہیں اولاد صالح کے واسطے یوں دُعا کرنی چاہیئے "کہ اے اللہ اولاد صالح عطا فرمادے" یعنی ایسی اولاد جو خود بھی نیک ہو اور ماں باپ کے واسطے بھی نیکی کا سبب بنے۔ اور جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نوازا ہے وہ بھی دعا کریں "کہ اے اللہ ہماری اولاد کو نیک اور صالح بنادے" اور ساتھ ساتھ شرعی اصول اور ضوابط کے مطابق ان کی اصلاح اور تربیت کی کوشش میں لگے رہیں اور ان کی ہر طرح کی حفاظت کریں، ان کے حقوق کا خاص خیال رکھیں اور اولاد کی وجہ سے دینی فرائض و واجبات میں سستی اور غفلت کا شکار نہ ہوں۔ چونکہ ہمارے موجودہ معاشرہ میں عموماً اولاد کی صحیح تربیت و اصلاح نہیں ہوتی اسی وجہ سے یہی اولاد والدین کے لئے وبالِ جان ہو جاتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ بے دینی، گمراہی اور گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ پھر اولاد اور والدین ایک دوسرے سے نالاں ہوتے ہیں۔

دوسری طرف اولاد کی اگر صحیح تربیت اور اصلاح ہو جائے تو اس سے زیادہ خوشگوار اور پرسکون زندگی دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد صالح عطا فرمائی ہے اور انہوں نے قرآن و سنّت کی حدود میں رہ کر اولاد کی تربیّت اور ان کی اصلاح کی ہے ایسی اولاد

کا ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی ان سے حسنِ تعلق قائم رہتا ہے ایسے لوگ بہت خوش قسمت، لائق تحسین اور قابلِ رشک ہیں (اللّٰھم اجعلنا منھم)

اولاد کی صحیح تربیت اور ان کی اصلاح اس بات کے علم پر موقوف ہے کہ اولاد کے حقوق کیا ہیں اور اولاد کے بارے میں ماں باپ پر کیا کیا ذمہ داریاں ہیں اس کے بغیر اولاد کا صالح بنانا اصولاً ناممکن ہے۔

اسی واسطے بندہ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اسی مضمون میں ماں باپ پر اولاد کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کو بیان کیا ہے تاکہ جو لوگ اولاد کی صحیح خطوط پر تربیت کرنا چاہیں اُن کو اِس کے اصول اور ضوابط کا علم ہو جائے۔

اولاد پیدا ہونے کے بعد ماں باپ کی ابتدائی ذمّہ داریاں

(۱) بچہ کی پیدائش کے بعد ماں باپ یا دیگر رشتہ داروں کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ نومولود کے کانوں میں مسنون طریقہ پر اذان و اقامت کہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن ابی رافع رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أذّن فی أذن الحسن بن علی حین ولدتہ فاطمۃ بالصلاۃ۔ (ابوداؤد ص ۳۴۰ ج ۲ مطبوعہ کراچی، ترمذی ص ۱۸۳ ج ۱)

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسے حسن بن علیؓ کے کان میں نماز والی اذان دیتے ہوئے دیکھا جب آپ کی صاحبزادی فاطمہؓ کے یہاں ان کی ولادت ہوئی۔

. . . . .

حدیث مذکور میں صرف اذان دینے کا ذکر ہے اقامت کا ذکر نہیں لیکن ایک دوسری حدیث میں جس کو صاحب کنز العمال نے ذکر کیا ہے اس میں اذان و اقامت دونوں کا ذکر ہے۔

اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے الفاظ کہنے کی تعلیم دی ہے۔

چنانچہ اس طرح کی روایت بیہقی اور ابن السنی میں حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ جس کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور اس شخص نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی ہے تو اس بچہ کو ام الصبیان کی بیماری نہ ہوگی یعنی اُسے جنّات کے اثرات نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

مسائل

مسئلہ : احادیثِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے جمہور امّت کے نزدیک نومولود (لڑکا ہو یا لڑکی اس) کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا اُمّت کی متفقہ سُنّت ہے اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں لہٰذا اگر کوئی اور عذر نہ ہو تو نہلا دُھلا کر نومولود کے داہیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔

مسئلہ : اگر پانی میسّر نہ ہو یا غسل دینا مضر ہو تو بچے کو غسل دیئے بغیر بھی اذان اور اقامت کہی جا سکتی ہے۔

مسئلہ : بعض لوگ ہسپتال میں ولادت کی صورت میں یا کوئی مناسب آدمی نہ ملنے کی وجہ سے اذان و اقامت کی سُنّت کو چھوڑ دیتے ہیں یہ بہت ہی بدقسمتی کی بات ہے پھر ترکِ سُنّت کا نقصان الگ ہے یاد رکھئے اذان

دینے کے لئے باقاعدہ عالم یا حافظ کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ جس کو صحیح طرح الفاظِ اذان واقامت یاد ہوں وہ بھی کہہ سکتا ہے۔

مسئلہ: اذان کے معنی اعلان کے ہیں لہٰذا اذان عام گفتگو کی آواز سے زیادہ اونچی اور بلند آواز سے دینا چاہیئے تاکہ اعلان کا معنی متحقق ہو یہ بھی سُنّت ہے۔

مسئلہ: اگر پست آواز سے اذان واقامت کے الفاظ کہہ دیئے تو اصل اذان واقامت کی سُنّت تو ادا ہو جائے گی لیکن اونچی آواز سے نہ کہنے سے جہر اور اونچا کہنے کی سُنّت رہ جائے گی۔

مسئلہ: نومولود بچّہ کے کان میں اذان واقامت کے الفاظ بعینہٖ وہی ہیں جو نماز والی اذان واقامت میں کہے جاتے ہیں اس میں کمی یا زیادتی درست نہیں ایسا کرنا خلافِ سُنّت ہے۔

مسئلہ: بعض عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ نومولود کے کان میں کہی جانے والی اذان کے جو الفاظ ہیں ان میں "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح" نہیں ہے اس طرح اقامت میں "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" کے الفاظ نہیں ہوتے یہ بات غلط ہے اس کی اصلاح کرلینی چاہیئے۔

مسئلہ: نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت قبلہ رُخ ہو کر اذان واقامت کہنا چاہیئے اور کھڑے ہو کر کہنا چاہیئے یہ سب چیزیں سُنّتِ اذان ہیں۔
(کذا فی ردّ المحتار ص ۳۸۷، ج ۱)

یاد رکھیئے نومولود کے کان میں اذان کے موقع پر ان چیزوں کا اگر اہتمام نہ کیا گیا تو صرف اذان کی سُنّت تو ادا ہو جائے گی لیکن مسنون طریقہ پر نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی سُنّتوں کا ترک لازم آئے گا لہٰذا اگر ہو سکے تو اسی وقت مسنون طریقہ پر اذان کا اعادہ کرنا چاہیئے لیکن اگر اس وقت اعادہ نہ ہوا تو بعد میں اعادہ

کی حاجت نہیں کیونکہ اصل سُنّت ادا ہو چکی ہے۔

مسئلہ: اذان دینے والا محلّہ کی مسجد کا امام یا مؤذن یا بچّہ کا کوئی بھی رشتہ دار ہونا ضروری نہیں بلکہ کوئی بھی مسلمان اذان دے سکتا ہے البتہ دیندار عالم یا نیک صالح آدمی کا اذان دینا مستحب اور افضل ہے۔

نومولود بچّہ کے کانوں میں اذان و اقامت کہنے کی حکمت اور فائدے

○ واضح رہے کہ ایک حکمت تو لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ بلا تاخیر بچّہ کی کان میں اذان و اقامت کہنے سے اُسے اُم الصبیان کی بیماری نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ دیگر حکمتیں بھی علمار کرام نے تحریر کی ہیں۔

○ چنانچہ "تحفۃ المولود" میں حافظ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ اس میں راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد انسان کے کان میں سب سے پہلی آواز ایسے کلماتِ عالیہ کی پڑے جو اللہ تعالےٰ کی عظمت و کبریائی پر مشتمل ہوں۔ لہٰذا کلمہ توحید و شہادت اور اقرار رسالت کے الفاظ کان میں پڑ جائیں جو اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ ہو سکیں تو گویا یہ ایک قسم کی تعلیم و تلقین ہے کہ دنیا میں جب اس نے پہلی دفعہ قدم رکھا ہے تو اسلام کے بنیادی عقائد کی اطلاع اُسے ہو جائے خواہ غیر شعوری طور پر یا فرشتہ کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔ بہر حال جیسے بھی ہو ان کلمات کا اثر اس پر ہوتا ہے۔

○ ایک فائدہ یہ ہے کہ اذان و اقامت کے الفاظ کے ذریعہ اس نومولود کو یومِ ازل کے عہد و میثاق کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کو جب پیدا فرمایا اس کے بعد تمام اولاد آدمؑ جو قیامت

تک ہونے والی ہیں ان کو ذرّات کی شکل میں آدمؑ کے پشت سے نکالا اور انہیں عقل وشعور دیا ان کے سامنے توحید باری کے دلائل پیش کرکے اقرار لیاکہ :

" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تمام (انسانی ذرّات) نے اقرار کرتے ہوئے کہا تھا ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔" (بخاری)

نیز شرعی اصطلاح میں اس کو عہدِ اُلست، یوم ازل کا عہد ومیثاق کہا جاتا ہے تو نومولود بچہ کے کان میں اذان واقامت کے الفاظ ڈال کر اسی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ روز اوّل میں جو عہد بنی آدم سے لیا گیا ہے وہ عہد قائم ہے اور دنیا میں اسی عہد کے مطابق زندگی گذارنی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ فأبواہ یھوّدانہ أوینصّرانہ اویمجّسانہ۔ (مشکوٰۃ ص ۲۱، ج-۱) (مسلم ص ۳۳۹، ج-۲)	یعنی ہر بچہ فطرتِ سلیمہ (دین وایمان) پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر (یہودی) ماں باپ اسے یہودی بناتے ہیں اور (نصاریٰ ماں باپ) نصرانی بناتے ہیں اور (مجوسی ماں باپ) مجوسی بناتے ہیں (اسی طرح دوسرے مذاہب والے کرتے ہیں)

غرض یہ کہ ماں باپ اگر مسلمان ہوتے ہیں تو اولاد کو مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر غیر مسلم اور کافر ہوتے ہیں تو اولاد کو کافر بنانے کی کوشش کرتے ہیں اصل پیدائش ہر بچہ کی فطرتِ اسلام پہ ہوتی ہے والدین کے زیرِ اثر یہودی بنتا ہے یا نصرانی، کافر بنتا ہے یا مشرک وغیرہ۔

اس لئے پیدائش کے موقع پر اذان واقامت، اس پرانے عہد کو یاد دلانے کے واسطے ہے۔ جو بچے کفّار کے گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کو اذان واقامت

نصیب نہیں ہوتی اور جو بچے مسلمانوں کے گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کے کانوں میں اذان واقامت کہنے کا حکم ہے۔ وہ اذان واقامت سنتے ہیں اور والدین کی صحبت سے وہ بھی مسلمان ہوجاتے ہیں۔ کافروں کی اولاد کا حال اس کے برعکس ہے، وہ ابتدائے پیدائش میں اذان واقامت نہیں سنتے۔ والدین اور سرپرستوں کی صحبت میں رہ کر کافر بنتے ہیں، کوئی یہودی بنتاہے تو کوئی نصاریٰ، کوئی آتش پرست بنتاہے تو کوئی بت پرست۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ بڑے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتاہے اور اس کی طرف نظر رحمت مبذول فرماتاہے پھر وہ کفر کو چھوڑ کر اسلام کو قبول کر لیتاہے اور جسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی وہ کافر بن جاتاہے اور مرتے دم تک کافر ہی رہتاہے اور اسی حالتِ کفر میں مرتاہے۔

- نومولود کے کان میں اذان دینے سے شیطان بھاگ جاتاہے اور بچہ کے اندر شیطانی اثرات ڈال نہیں سکتا۔
- بچہ ہر قسم کے شیاطین اور جن کے شر و ضرر سے محفوظ رہتاہے۔

تحنیک اور دُعائے برکت

تحنیک کے معنی ہیں کسی کے تالو میں کوئی چیز ملنا، عُرفِ عام میں پیدائش کے فوراً بعد بچہ کے تالو میں کسی چیز کے ملنے کو کہتے ہیں۔ ہماری اصطلاح میں اس کو گھُٹی کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ بچے کے مزاج پر گھٹی کا بڑا اثر پڑتاہے۔ اسی لئے شریعت میں اس کو اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یؤتی	صحابۂ کرامؓ اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

بالصبيان فيبرك عليهم ويحنكهم ۔
(مسلم ص ۳۰۹، ج ۲)

لایا کرتے تھے اور آپ ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرماتے اور تحنیک فرماتے تھے ۔

حضرت اسمار بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ :

" انها حملت بعبد الله بن زبير بمكة قالت فخرجت ... فأتيت المدينة فنزلت بقبآء فولدته بقبآء ثم أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعه فى حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فى فيه فكان اوّل شئ دخل جوفه ريق رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم حنكه بتمرة ثم دعا له وبرك عليه وكان اوّل

وہ خود ہجرت سے قبل مکہ میں حمل سے تھیں جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئیں اور مقامِ قبا میں قیام کیا وہاں عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی، فرماتی ہیں کہ میں نے نومولود بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے گود میں لے لیا ۔ پھر آپؐ نے چھوارہ منگوایا اور اس کو چبایا اور اس کو اس بچہ کے منہ میں ڈال دیا ۔ اس طرح سب سے پہلی چیز جو اس کے پیٹ میں گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک تھا پھر اس کے تالو میں ملا اسی کا نام تحنیک ہے ۔ پھر اس کے لئے دعا فرمائی اور برکت سے نوازا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور یہ اسلام میں پہلا بچہ ہے جو ہجرت کے

مولود ولد فی الاسلام۔ بعد ایک مہاجر کے گھرانے میں
(مشکوٰۃ ص ۲۰۹، ج ۲) پیدا ہوا۔

کتبِ حدیث میں تحنیک کے بہت سارے واقعات کا ذکر ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ اپنے نومولود بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جایا کرتے اور آپؐ سے دعائے برکت اور تحنیک کراتے۔

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نومولود بچہ کو کسی دیندار عالم یا کسی صالح بزرگ شخصیت کے پاس اس غرض سے لے جانا کہ وہ اس بچے کے لئے دعائے خیر و برکت کرے اور چھوارہ چبا کر اس کے منہ میں دے۔ یہ مستحب ہے، اگر چھوارہ میسّر نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز یا شہد وغیرہ سے بھی تحنیک ہو سکتی ہے۔

یہ سُنّتیں ایسی ہیں جن پر عموماً لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے ان سُنتوں کو چھوڑ کر اپنی طرف سے دوسری بے شمار رسومات وبدعات ایجاد کرلی ہیں ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ان بدعات و رسومات کی تفصیلات و احکام "بہشتی زیور" مصنفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ میں دیکھ لی جاوے۔

تسمیہ

یعنی بچہّ کی پیدائش کے بعد اس کا نام رکھنا

پہلے زمانہ میں یہ ہوتا تھا کہ بچوں کے نام کے لئے گھر کے یا رشتہ داروں میں سے کسی دیندار صالح آدمی سے نام کے متعلق پوچھا جاتا تھا تاکہ وہ اچھا سا نام رکھے لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج کل یہ معمول بھی ختم ہو رہا ہے۔

دوسری چیزوں میں جس طرح مغرب اور مغرب زدہ لوگوں کے اثرات آگئے ہیں

ناموں میں بھی یہی شروع ہوا ہے دینی و شرعی اعتبار سے اچھے اچھے ناموں کو پسند نہیں کیا جاتا بلکہ غیر مسلموں کے نام کو پسند کیا جانے لگا ہے اور اسلامی ناموں سے نفرت کا انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ بے دینی کا رجحان یہیں سے شروع ہو جاتا ہے جبکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے سب کے لئے ضروری ہے کہ نام رکھنے میں اتباع رسول کا خیال کیا جائے، لڑکوں کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے اسماء کا اور لڑکیوں کے لئے ان کی بیٹیوں اور صحابیات کے ناموں کا انتخاب کیا جائے یا کم از کم ایسا نام رکھا جائے کہ جو معنی کے لحاظ سے احکام اسلام کے خلاف نہ ہو۔

عن انس بن مالك قال ذهبت بعبد الله بن ابي طلحة الأنصاری الی رسول الله صلی الله علیه وسلم حین وُلد ورسول الله صلی الله علیه وسلم فی عباءة یهنا ء بعیرا له فقال هل معك تمر؟ فقلت نعم فناولته تمرات فالقاهنّ فی فیه فلاکهنّ ثم فغرفا الصبی فمجّه فی فیه فجعل الصبی یتلمظه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن ابی طلحہ کو لے کر جب اس کی ولادت ہوئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت کملی اوڑھے تھے اور اپنے اونٹ پر روغن مل رہے تھے مجھے دیکھ کر آپ نے پوچھا تیرے پاس چھوہارہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی! آپ نے مجھ سے چند چھوہارے لئے اور انہیں چبایا پھر اس بچے کا منہ کھولا اور اس کے منہ میں ڈالا بچہ اس کو چوسنے لگا۔ آپ نے فرمایا انصار

حبّ الانصار التّمر وسمّاہ عبداللہ۔ (مسلم ص ۲۰۰ ج ۲)

کو کھجور سے عشق ہے اور آپؐ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔

○ عن ابی موسیٰ قال ولد لی غلام فأُتیت بہ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم فسمّاہ ابراھیم وحنکہ بتمرۃ۔ (مسلم ص ۲۰۹، ج ۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اس کا نام ابراہیم رکھا پھر چھوارہ سے اس کی تحنیک فرمائی۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے علاوہ دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ تحنیک اور نام رکھنے کے لئے بچّہ کو آپؐ کی خدمت میں لے جایا کرتے تھے جیسا کہ ان دونوں حدیثوں میں ذکر ہے۔ آپؐ نے ایک بچّہ کا نام عبداللہ اور دوسرے کا نام ابراہیم رکھا جس سے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس نام میں کوئی اسمِ الٰہی ہو جیسے عبداللہ وعبدالرحمٰن وغیرہ نام رکھنا زیادہ بہتر ہے یا پھر حضرات انبیاءؑ علیہم السلام کے نام رکھنا اچھا ہے۔

○ عن ابن عمر عن النّبی صلی اللہ علیہ وسلم قال أُحبّ الأسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمٰن ۔ (ترمذی ص ۱۰۶ ج ۲)
(ابوداؤد ص ۲۷۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبداللہ وعبدالرحمٰن ہے۔

حدیث مذکور سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ عبداللہ وعبدالرحمٰن نام رکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، دوسرے اس سے یہ اشارہ بھی ملتا

ہے کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دوسرے اسمار کے ساتھ بھی نام رکھ سکتے ہیں مثلاً عبدالقادر عبدالغفور، عبدالغفار، عبدالرؤف، عبدالقدوس وغیرہ وغیرہ۔

یا انبیار علیہم السلام کے ناموں میں سے کوئی نام رکھا جائے یا صحابہ کرامؓ اور دوسرے صالحین کے نام کے مطابق رکھا جائے۔ ایک روایت میں تو صراحۃً ذکر ہے کہ تم انبیاءؑ کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھو۔

یا کم ازکم ایسے نام ہونے چاہئیں جو الفاظ ومعانی کے لحاظ سے مناسب اور صحیح ہوں مگر آج کل لوگوں نے اپنے بچوں کے نام انگریزوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے انداز پر رکھنے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ لوگ جس طرح دیگر امور میں ان کفّار سے مشابہت کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں، بچوں کے نام رکھنے میں بھی انہی اغیار کی مشابہت اختیار کرنے لگے ہیں۔

یہ بہت بڑے افسوس اور ذلّت کی بات ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں سے شمار ہوگا۔ اسی وجہ سے مسلمان والدین اور سرپرستوں کو چاہیئے کہ نومولود بچّہ کا اچھا سا نام رکھیں۔ والدین پر یہ اولاد کا حق ہے۔ اس بارے میں ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے۔

○ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقّ الولد علی الوالدان یحسن إسمہ ویحسن أُدبہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ پر بچّہ کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے۔

اور جن لوگوں نے اپنے بچوں کے نام یہود، نصاریٰ اور دوسرے کفّار کے مشابہ

رکھے ہیں یا ایسے نام رکھے ہیں جن کے معانی صحیح نہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ محققین علمائے کرام سے تحقیق کر کے ان کے نام بدل دیں، غلط یا نامناسب نام کی جگہ صحیح اور مناسب نام رکھیں۔ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بُرے ناموں سے منع فرمایا ہے بلکہ بعض ناموں کو آپ نے غلط اور غیر مناسب ہونے کی وجہ سے بدل دیا۔

○ چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے:

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النّبی صلی اللہ علیہ وسلم غیّر اسم عاصیة وقال أنت جمیلة۔
(ترمذی ص ۱۰۷ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت جس کا نام عاصیہ (گناہگار) تھا بدل کر جمیلہ (خوبصورت) رکھ دیا۔

○ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

عن محمد بن عمرو بن عطاء ان زینب بنت ابی سلمة سألته ماسمّیت إبنتك قال سمّیتها برّة فقالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نهی عن هذا الإسم سمّیت برّه فقال النّبی صلی اللہ علیه وسلم لاتزکّوا أنفسکم اللہ اعلم بأهل البرّ فقال

زینب بنت ابی سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے عمرو بن عطاءؒ سے دریافت کیا کہ تو نے اپنی بیٹی کا کیا نام رکھا ہے۔ عمرو بن عطاء نے کہا "برّہ" رکھا ہے۔ زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے منع کیا میں نے (برّہ) نام رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے نفس کو پاک باز نہ سمجھے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون پاک باز ہے۔ میں نے عرض کیا

ما نسمّیھا قال سمّوھا زینب‍» (ابوداؤد ص ۲۷۷ ج ۲)	بچّی کا کیا نام رکھوں آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔

ایک اور روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس معاملہ میں اہتمام یوں منقول ہے:

«عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یغیّر الاسم القبیح» (ترمذی ص ۱۰۷، ج ۲)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کے بُرے نامناسب ناموں کو بدل دیتے (اور اچھے نام رکھ دیا کرتے تھے)

بعض لوگ اپنے بچوں کے نام عبدالنبی اور عبدالرسول رکھ دیتے ہیں جو کہ معنوی لحاظ سے درست نہیں ہے البتہ غلام نبی اور غلام رسول نام رکھنا درست ہے۔ پہلے ہی نام رکھنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے بعض دفعہ غلط نام رکھ دیا جاتا ہے زندگی گذر جاتی ہے پتہ ہی نہیں ہوتا جب آخری عمر میں پتہ چلتا ہے یا بڑی عمر میں معلوم ہوتا ہے تو تمام سرکاری کاغذات اور دستاویزات میں غلط نام درج ہونے کی وجہ سے اس کی تبدیلی انتہائی مشکل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر شروع ہی سے احتیاط کر لی جائے تو ایسی کوئی پریشانی نہ ہوگی اور اچھا نام رکھنا والدین اور بڑوں پر اولاد کا حق بھی ہے اور یہ نومولود بچہ کے لئے والدین کی جانب سے بڑا انعام اور بڑا تحفہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ:

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اوّل ماینحل الرّجل ولدہ إسمہ فلیحسن إسمہ ۔	علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے اس لئے اس کا نام اچھا سا رکھنا چاہیئے ۔

○ ایک دوسری حدیث میں یہ ارشاد ہے :

عن أبی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم انکم تدعون یوم القیامۃ بأسمآءکم واسمآء آبآءکم فاحسنوا أسمآؤکم ۔ (رواہ احمد وابوداؤد بحوالہ معارف الحدیث صفحہ ۳۰ ج ۴)	حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے باپ کے نام سے پکارے جاؤ گے لہٰذا تم اپنے بچوں کے لئے اچھے نام رکھا کرو ۔

مذکورہ بالا احادیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ بچّوں کا اچھے سے اچھا نام رکھنا چاہیئے، دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کے روز لوگوں کو ان کے اپنے اور ان کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا نہ کہ ماں کے نام سے جیسا کہ بعض عوام کا خیال ہے اور صرف حضرت عیسیٰؑ کو ابن مریم کہہ کر پکارا جائے گا لہٰذا یہ خیال کہ قیامت کے روز تمام لوگوں کو ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا غلط اور بے بنیاد ہے ۔

بچّوں کا کب نام رکھّے

یہ مسئلہ کہ بچّے کی پیدائش کے بعد کب تک اس کا نام رکھ دینا چاہیئے؟ تو اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ پیدائش کے روز نام رکھ لینا ضروری نہیں ہے بلکہ عقیقہ کے دن تک کسی بھی وقت نام رکھا جا سکتا ہے البتہ پہلے روز نام رکھ دینا افضل ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حسنؓ و حسینؓ کے نام پیدائش کے

روز ہی رکھ دیئے تھے اور اکثر صحابہؓ کا معمول یہی رہا ہے ہاں ساتویں دن یعنی عقیقہ کے روز نام رکھنا بھی درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ عقیقہ اگر چودھویں دن یا اکیسویں دن کیا جائے نام بھی اسی دن رکھا جائے لیکن عقیقہ تاخیر سے کرنا ہو تو نام میں تاخیر کرنا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ ایسے موقع پر جب عقیقہ دیر سے ہو نام پہلے رکھ دینا چاہیئے۔

بعض لوگ عزیزوں سے مشورہ کرنے کے واسطے مہینوں تک نام نہیں رکھتے حالانکہ یہ ایک غیر ضروری فعل ہے۔ جس کی وجہ سے جلدی نام رکھنے کی سُنّت کو ترک کیا جاتا ہے اور اگر اس کو دینی مسئلہ سمجھ کر کیا جاتا ہے تو یہ امر بدعت ہے۔

بعض لوگ ناموں کے لئے قرآن کریم سے عجیب و غریب طریقہ سے فال نکلواتے ہیں یہ بھی بے بنیاد بات ہے، یہ امر بدعت ہے اور اس کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے۔

اگر بچہ زندہ پیدا ہوا پھر انتقال کر گیا تو بھی اس کا نام رکھا جائے گا اسے غسل دے کر نماز جنازہ پڑھی جائے گی پھر دفنایا جائے گا اور اگر مُردہ پیدا ہو تو اس کا نام تو رکھا جائے گا اور غسل دیا جائے گا لیکن بغیر نماز جنازہ دفنایا جائے گا۔ اگر ناتمام بچہ پیدا ہو جس کی صورت بھی نہ بنی ہو تو اس کا نام بھی نہیں رکھا جائے گا بلکہ کسی کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں دفن کر دیا جائے گا باقاعدہ قبر کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چوتھی چیز عقیقہ اور بچہ کے سر کے بال وغیرہ منڈوانا

اسلام سے قبل بھی عربوں میں نومولود بچہ کے لئے جانور ذبح کرنے کا رواج تھا۔ پیدائش کے چند روز بعد نومولود بچہ کے سر کے وہ بال جو ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوا ہے صاف کروا دیئے جاتے اور اسی دن خوشی کے طور پر کسی

جانور کی قربانی کردی جاتی تھی۔ یہ دراصل ملتِ ابراہیمی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی لیکن ایامِ جاہلیت میں اس کے اندر بعض رسومات اور بدعات نے جگہ لے لی تھی۔

پھر جب دینِ اسلام آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دوسرے احکامات کی طرح یہاں بھی اصولی طور پر عقیقہ کو باقی رکھا ایامِ جاہلیت کی رسومات اور بدعات کو ختم کرکے بعض مناسب ہدایات دیں اور خود عقیقہ کرکے عملی نمونہ پیش فرمایا۔

○ چنانچہ حدیث میں ہے:

عن أبي بريدة يقول كنّا في الجاهلية اذا ولد لأحدنا غلام ذبح شاة ولطخ رأسه بدمها فلمّا جاء الله بالاسلام كنّا نذبح شاة ونحلق رأسه ونلطخه بزعفران أوّل الصّيد ۔

(ابوداؤد ص ۳۷، ج ۲)

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگوں کا دستور یہ تھا کہ جب کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکرا یا بکری ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچہ کے سر کو رنگ دیتا پھر جب اسلام آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہمارا طریقہ یہ ہو گیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرا ذبح کرتے ہیں اور بچہ کا سر صاف کرا کر اس کے سر پہ زعفران لگا دیتے ہیں۔

○ دوسری جگہ حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان بن عامر الضبی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع الغلام عقیقۃ فاھریقوا عنہ دمًا وامیطوا عنہ الأذی (نسائی ص ۱۸۷ ج ۲ وکذا فی البخاری)	حضرت سلیمان بن عامر الضبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ پیدا ہونے پر عقیقہ ہے اور فرمایا اس کی جانب سے جانور ذبح کر کے خون بہاؤ اور بچہ سے اُذی (یعنی سر کے بال اور ناخون وغیرہ کو) دور کر دو۔

○ ایک اور حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عق عن الحسن والحسین رضی اللہ عنہما کبشا کبشا (ابوداؤد ص ۳۶ ج ۲)	حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی جانب سے دو مینڈھے عقیقہ میں ذبح کیے۔

○ ایک اور حدیث شریف میں ہے:

عن أم کرز قالت أتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالحدیبیۃ أسألہ عن لحوم الھدی فسمعتہ یقول علی الغلام شاتان وعلی الجاریۃ شاۃ	حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ عقیقہ کے بارے میں فرمارہے تھے کہ لڑکے کے لئے دو بکرے یا بکریاں کی جائیں اور لڑکی کے لئے ایک بکرا یا ایک بکری، اور اس میں کچھ

لا يضرّكم ذكراناً كنّ او إناثاً»

(نسائی ص ۱۸۷، ج ۲)

حرج نہیں ہے کہ عقیقہ کے جانور نر ہوں یا مادہ۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

عن عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده قال: سئل النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن العقیقة فقال: «لا يحب الله العقوق كأنه كره الاسم وقال «من وُلِدَ له ولدٌ فأحب أن ينسك عنه فلينسك عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة»۔ (نسائی ص ۱۸۷ ج ۲، ابوداؤد ص ۳۶ ج ۲)

حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر ہم میں سے کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو وہ کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کا عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کے لئے دو بکرے یا بکریاں اور لڑکی کے لئے ایک بکرا یا بکری کی قربانی کرے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

«عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كل غلام رهين بعقيقته يذبح عنه يوم سابعه ويحلق رأسه ويسمّى»

(ترمذی ص ۱۸۳ ج ۱، نسائی ص ۱۸۸ ج ۲)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض میں رہن ہوتا ہے جو کہ ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کی جاوے اور اس کا سر منڈوایا جائے اور نام رکھا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے متعلق سوال کرنے والوں کو حکم فرمایا کہ لڑکے کی جانب سے دو بکرے یا بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکرا بکری کافی ہے ۔

عقیقہ کے احکام ومسائل حدیث وفقہ کی روشنی میں

○ عقیقہ کرنے سے قبل نام تجویز کیا جائے گا اور بچہ کے اسی نام سے عقیقہ کیا جائے گا

○ عقیقہ کے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے ۔

بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَإِلَيْكَ هٰذِهِ عَقِيْقَةُ عَنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ .

فلاں کی جگہ پر بچہ کا نام اور دوسرا فلاں کی جگہ باپ کا نام ذکر کیا جائے گا ۔

○ اگر بچہ کا نام نہ لیا گیا صرف اس کی طرف نسبت کی گئی پھر بھی درست ہے ۔

○ بوقت گنجائش بچہ اور بچی کے لئے عقیقہ کرنا سنّت غیر موکّدہ یعنی مستحب ہے یہی جمہور ائمہ اور تمام امت کا اتفاقی مسئلہ ہے واجب نہیں ہے جیسا کہ بعض ائمہ کہتے ہیں اور نہ بالکل اتنا غیر اہم ہے کہ توجہ نہ دی جائے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے ۔

○ گنجائش ہو تو لڑکے کی جانب سے دو بکرے یا بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکرا یا بکری کرنا بھی مستحب ہے اگر گنجائش ہو تو لڑکے کی طرف سے ایک بکری کرنا بھی درست ہے ۔

○ گنجائش نہ ہونے کی صورت میں عقیقہ نہ کرے تو گناہ نہیں ہے ۔

○ عقیقہ پیدائش کی ساتویں یا چودھویں یا پھر اکیسویں تاریخ کو کرلینا چاہیئے ۔ اس سے تاخیر کرنے کی کوئی روایت نہیں ہے لہٰذا ان ایام میں عقیقہ کرلینے سے عقیقہ کا پورا پورا ثواب ملے گا اور ان ایام سے تاخیر کرنے کی صورت میں عقیقہ کے

ثواب میں کمی آجائے گی بلکہ فقہاء کرام نے لکھا ہے اکیسویں تاریخ سے تاخیر کرنے سے عقیقہ مسنونہ نہیں رہے گا البتہ بچہّ کی جانب سے عام صدقہ کی طرح صدقہ ہو جائے گا. اس وجہ سے عقیقہ کو زیادہ تاخیر سے نہیں کرنا چاہیئے .

○ اگر ساتویں دن سے قبل اتفاق سے بچہّ کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد اس کا عقیقہ نہیں ہے .

○ اسی طرح عقیقہ میں تاخیر ہو گئی اور عقیقہ کی مسنون تاریخ گذرنے کے بعد بچے کا انتقال ہو گیا پھر بھی اس کا عقیقہ نہیں ہے . غرض صرف زندہ بچہّ کا عقیقہ ہوتا ہے وفات کے بعد کوئی عقیقہ نہیں ہوتا .

○ بعض لوگ غیر ضروری باتوں میں پڑ کر عقیقہ کو مؤخر کر دیتے ہیں حالانکہ اس سے عقیقہ کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے یعنی ثواب میں کمی آجاتی ہے مثلاً بچہّ کے باپ یا دوسرے کوئی عزیز نہ ہونے کی وجہ سے عقیقہ میں مقررہ تاریخوں سے تاخیر کی جاتی ہے حالانکہ اس سے عقیقہ کے ثواب میں زبردست کمی آتی ہے .

○ عقیقہ چھوٹے جانوروں (بکرا، دنبہ، مینڈھا) سے کرنا افضل ہے بڑے جانور سے بھی جائز ہے کیونکہ قربانی کے ایام میں واجب قربانی جب بڑے جانور سے ادا ہوتی ہے تو عقیقہ مسنونہ بڑے جانوروں سے بطریق اولیٰ ادا ہو جائے گا .

○ بڑے جانور (یعنی اونٹ، گائے جن میں قربانی کے سات حصے ہوتے ہیں) دینے کی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ اس میں ہر لڑکے کیلئے دو حصےّ اور لڑکی کے لئے ایک حصہّ رکھا جائے .

○ قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہّ رکھنا بھی جائز ہے . (کما فی رد المحتار) البتہ صاحبِ حیثیت لوگوں کے لئے افضل یہ ہے کہ چھوٹے جانوروں سے ہی عقیقہ کریں .

○ عقیقہ کے جانوروں میں وہی صفات ہونا چاہئیں جو کہ قربانی کے جانوروں میں ضروری ہیں ۔

○ عقیقہ میں بھی قربانی کی طرح یہ مستحب ہے کہ گوشت کے تین حصّے کر کے ایک حصہ عزیز و اقارب کے لئے، اور ایک حصہ فقراء و مساکین میں تقسیم کر دے اور ایک حصّہ گھر میں استعمال کے لئے رکھ لے۔

○ یہ بھی جائز ہے کہ سارے کا سارا گوشت گھر میں استعمال کے لئے رکھ لیا جائے یا پورا ہی صدقہ کر دیا جائے ۔

○ عقیقہ کا گوشت بچّہ کے والدین نانا نانی دادا دادی سب رشتہ دار کھا سکتے ہیں ۔

○ عقیقہ کے روز نومولود بچّہ کا سر منڈوا دینا سُنّت ہے لہٰذا اگر کوئی عذر بیماری یا ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو ساتویں دن اس کے سر کا بال منڈوا دیا جائے۔

○ بال منڈوانے کے بعد بچّہ کے سر میں زعفران یا کوئی خوشبودار چیز کا لگا دینا مستحب ہے۔

○ اور منڈے ہوئے بال کے ہم وزن چاندی کا صدقہ کر دینا بھی سُنّت ہے۔

○ عقیقہ کے جانور سر منڈ وانے کے قبل یا بعد دونوں طرح ذبح کر سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک طرف بچّہ کے سر پر اُسترہ لگے، دوسری طرف عقیقہ کے جانور کے گلے میں چھُری پھرے جیسا کہ بعض لوگ اسے ضروری سمجھتے ہیں ہاں ایسا کر لینا جائز ہے۔

○ منڈے ہوئے بالوں کو دفن کر دیا جائے یہی حکم سب بالوں کا ہے خواہ بڑے کے ہوں یا چھوٹے کے دفن کر دینا ہی سُنّت ہے اگر دفن نہیں کیا گیا بلکہ ایسی محفوظ جگہ رکھ دیا گیا جہاں پر لوگوں کا گذر کم ہو تو اس میں بھی گنجائش ہے ۔

عقیقہ کی دعوت اور اس کی تفصیل

○ عقیقہ میں دعوت کھلانا سنت موکدہ تو نہیں ہے مگر جب استطاعت ہو اور اخلاص کے ساتھ ہو دکھلاوا کے لئے نہ ہو تو بہتر ہے دیندار لوگوں اور عزیز و اقارب اور بعض ناداروں کو کھلانے میں موجب اجر و ثواب بھی ہے اور مستحب دعوتوں میں سے ہے۔

○ جب حیثیت نہ ہو قرض کر کے دعوت کرنا مناسب نہیں یا شہرت اور دکھاوا کے ارادے سے عقیقہ کی دعوت کرنا درست نہیں ہے۔

○ بعض لوگ سُنّت کے مطابق عقیقہ کے کھانے، اسی طرح مسنون ولیمہ کے کھانے کو علی الاطلاق ناجائز اور بدعت کہتے ہیں حالانکہ یہ غلط اور شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے کیونکہ محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ نے جن دعوتوں کو جائز بلکہ مستحب یا سنّت کہا ہے ان میں ولیمہ اور عقیقہ کی دعوت بھی ہے۔

آٹھ قسم کی دعوتیں مشروع ہیں

(۱) ولیمہ مسنونہ کی دعوت، صاحبِ استطاعت کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق دعوت کرنا سنت ہے۔

وضاحت :-

(الف) ولیمہ کی دعوت راجح قول کے مطابق عورت اور شوہر کے درمیان تعلق قائم ہونے کے بعد سنّت ہے۔

(ب) نکاح اور شادی کے بعد عورت اور شوہر کے درمیان تعلق قائم ہونے سے قبل بھی ولیمہ کرنا ایک قول میں جائز ہے۔

(ج) ولیمہ لڑکے کی جانب سے کرنا سنّت ہے لڑکی والوں کی جانب سے ولیمہ

نہیں ہوتا۔

② شادی اور نکاح کی خوشی پر کھانا: خواہ لڑکی والوں کی جانب سے کھلایا جائے یا لڑکے والوں کی جانب سے کھلایا جاوے جائز اور مستحب ہے (کما قال القاضی عیاض والعسقلانی فی الفتح) بشرطیکہ دعوت زبردستی نہ ہو اس میں دکھاوا نہ ہو اور حیثیت سے زیادہ اخراجات نہ کرے، امیر و غریب سب کو دعوت دی جاتی ہو، دعوت میں خلافِ شرع کوئی کام نہ ہوتا ہو ورنہ پھر غلط اور گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔

③ ختنہ کی دعوت: بچوں کے ختنے کرنے کے موقع پر خوشی میں اخلاص کے ساتھ جبکہ حیثیت ہو دعوت کرنا جائز اور مشروع ہے جبکہ مذکورہ بالا خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہو (کذا فی فتح الباری)

④ کسی عمارت کی تعمیر پر کھانا یعنی مکان وغیرہ تعمیر کرنے کی خوشی میں کھانا کھلانا (جبکہ شرائط مذکورہ کے خلاف نہ ہو) جائز اور مشروع ہے۔

⑤ مہمان کو کھانا کھلانا: عمومی یا خصوصی مہمان کو حسبِ استطاعت کھانا کھلانا سنت ہے اور تین روز تک ہر روز سنت کا ثواب ملتا ہے باقی افضل ہے۔

⑥ سفر سے واپسی پر کھانا کھلانا: یعنی اگر کوئی کسی جائز یا دینی سفر سے بخیریت واپس آیا تو اس کی خوشی میں کھانا کھلانا جائز اور مشروع ہے خاص کر سفرِ حج یا جہاد یا سفرِ علم کے بعد۔

⑦ بچے کی پیدائش یا عقیقہ کے موقع پر کھانا کھلانا بھی جائز اور مشروع ہے۔

⑧ کسی پڑوسی کی وفات پر میّت کے گھر والوں کو تین روز تک اپنے گھر بلا کر کھانا کھلانا یا ان کے گھر پہنچانا دونوں طرح مسنون ہے۔

میت کے گھر میں دعوت کا انتظام درست نہیں

واضح رہے کہ میت کے گھر جاکر اہلِ محلّہ کا دعوت کھانا تین روز تک غلط اور مکروہ تحریمی جیسا کہ بعض علاقوں میں رواج ہے اور قابل ترک ہے۔

عقیقہ کے مشروع ہونے کی حکمت

○ عقیقہ میں نومولود کی پیدائش کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کا تقرب اور نزدیکی حاصل کرنے کے لئے خوشی کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

○ عقیقہ ہر قسم کے مصائب و آفات سے بچانے کے لئے ایک قسم کا فدیہ ہوتا ہے لیکن یہ فدیہ اور صدقہ ایسا ہے کہ اس کو ماں باپ اور رشتہ دار سب کھاسکتے ہیں جیسا کہ قربانی کے گوشت کو سب امیر و غریب قربانی کرنے والے خود اور ماں باپ غرض جملہ رشتہ دار کھاسکتے ہیں البتہ قربانی کے گوشت کی طرح اس میں بھی تین حصّے کرکے ایک حصّہ گھر کے لئے دوسرا حصّہ رشتہ داروں کے لئے تیسرا حصّہ فقراء اور نادار لوگوں کے لئے دینا مستحب ہے۔

○ عقیقہ والدین کے لئے بچوں کے شفاعت کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ جب والدین نے بچوں کے عقیقہ کا حق ادا کردیا تو اولاد بھی اس کا بدلہ قیامت کے روز سفارش سے دے گی۔

○ عقیقہ کرنے کی جب حیثیت ہو تو عقیقہ کرنے سے شریعت کے ایک حکم کو زندہ کرنا ہوتا ہے اور جو لوگ باوجود قدرت و استطاعت کے اس کو غیر اہم سمجھ کر یا غفلت اور سستی سے بچوں کا عقیقہ نہیں کرتے وہ لوگ ایک شرعی حکم کو زندہ کرنے میں پیچھے رہ جاتے ہیں کوتاہی کرتے ہیں۔

○ عقیقہ کے گوشت، ہدایا اور تحائف میں تقسیم کرنے میں عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی، تعلق و محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے نیز فقراء و نادار لوگوں کے ساتھ کچھ حسن سلوک کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

○ عقیقہ کے مسنون رواج قائم رکھنے سے معاشرہ میں ایک نیکی کا سلسلہ قائم رہتا ہے جو کہ اصلاح معاشرہ کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

○ مذکورہ امور کے علاوہ بعض لوگ عقیقہ کے موقع پر بے شمار رسومات و بدعات کو ضروری سمجھ کر کرتے ہیں جن کی کوئی بنیاد شرع میں نہیں ہے لہٰذا مروّج بدعات اور رسومات کو ختم کر دینا چاہیئے خصوصًا عقیقہ کے موقع پر ناچ گانے کا رواج تو بہت ہی سنگین گناہ اور حرام ہے۔

○ عقیقہ کے موقع پر یا اس کے آگے پیچھے نومولود بچہ کو بعض عزیز و اقارب بطور تحفہ و ہدیہ کچھ اشیاء کپڑے، نقدی و دیگر سامان دیتے ہیں اگر اس سے مقصد رسم و رواج پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ دینے والے کا مقصد محض اللہ کی خوشنودی ہے اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور تعلقات کو بہتر بنانے کے واسطے ہے پھر تو جائز ہے اور موجبِ ثواب ہے اور بچہ کو دی ہوئی چیزیں اس کی ملکیت ہیں۔

○ لیکن تحفہ دینے والے کا مقصد اگر ریاکاری، دکھاوا، نام و نمود ہے اور اسی وجہ سے دیتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو اس میں کوئی ثواب نہیں ہے اور اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ اس کے یہاں اولاد پیدا ہونے پر اس طرح کا تحفہ لوگ دیا کریں تو یہ ایک قسم کا قرض ہے اس طرح کا تحفہ حقیقت میں تحفہ نہیں ہے، لہٰذا ایسا تحفہ نہ خود دیں نہ لوگوں سے لیں بلکہ معذرت کر دینا چاہیئے ہاں زبانی طور پر اگر یہ بتا دے یا قرائن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ تحفہ اللہ کی خوشنودی کے واسطے ہے اس سے کوئی دنیاوی مقصد نہیں ہے تو اس کے بیان اور حال پر اعتبار کر کے بچّہ کے لئے تحفہ وصول کرنا جائز اور درست ہے۔

اولاد کی ابتدائی پرورش

نومولود بچّہ کے ابتدائی دو سال دودھ پلانے کے ہوتے ہیں۔ دودھ پلانے کے احکام قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ نے اہتمام کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور اس سلسلہ میں والد اور والدہ دونوں پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں اسے مختصر اور جامع الفاظ میں بیان فرمادیا ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ

مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ اس کے ذمہ) قاعدہ کے موافق ان بچوں کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دینا ہے کسی کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی حیثیت اور برداشت کے مطابق بچہ کی اماں کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہیئے اس کی بچّہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہے پھر اگر والدین دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی دوسری عورت کا دودھ

بِالْمَعْرُوْفِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○»
(بقرہ ۔ ۲۳۳)

پلانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جبکہ ان کے حوالہ کر دو جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

قرآن کی آیت اور اس کی تشریح

آیت مذکورہ میں فرمایا گیا کہ "مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلایا کریں۔
آیت کی شرح سے یہ مسائل معلوم ہوتے ہیں کہ:
شیر خوار بچے کو اپنا دودھ پلانے کی ذمہ داری ماں پر ہے یہ اس پر شرعی حق ہے۔
بعض عورتیں بلا وجہ شرعی صحت اور دودھ پلانے کی سہولت ہوتے ہوئے محض فیشن کے طور پر بچوں کو اپنا دودھ پلانے کے بجائے اوپر کا دودھ پلاتی ہیں جبکہ اکثر اس سے بچوں کو نقصان ہوتا ہے اور ایسی عورتیں یہ کہتی ہیں کہ بچوں کو ماں کا اپنا دودھ پلانا کوئی ضروری امر تو نہیں ہے اسلام میں دوسرا دودھ پلانے کی ممانعت نہیں ہے۔ یہ سوچ اور فکر غلط ہے۔

اسلام نے بچہ کو کسی قسم کا نقصان پہنچا کر اپنا دودھ پلانے کو ترک کرنے کی اجازت ماں کو نہیں دی ہے۔ ماں کے دودھ نہ پلانے سے اگر متبادل اچھا انتظام ہے اور بچہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا یا ماں کا دودھ نہیں ہے یا اس کی صحت بہت زیادہ خراب ہے تب اجازت ہے کہ دودھ نہ پلائے عام حالات میں یہ حکم نہیں ہے۔

ماں کے دودھ کا واقعی نعم البدل دوسری بچہ والی عورت کا دودھ تو بن سکتا ہے اس لئے کہ یہ قدرتی غذا ہے جس میں ہر قسم کی قوتیں، طاقتیں، توانائیاں وٹامنز دوا اور علاج کا انتظام بدرجۂ اتم موجود ہے۔ لیکن دیگر خصوصی غذاؤں اور اوپر کے دودھ وغیرہ میں مذکورہ چیزیں ہرگز ہرگز ماں کے دودھ کا قائم مقام نہیں ہوسکتیں اس واسطے جب تک کوئی شرعی یا طبعی معقول عذر نہ ہو اس وقت تک بچوں کی ماؤں کو چاہیئے کہ وہ دودھ پلانا ترک نہ کرے۔

اہم نکتہ :۔ واضح رہے کہ ماں کا دودھ جس طرح بچہ کے لئے ایک قدرتی غذا کے علاوہ قدرتی دوا اور طاقت وصحت کے لئے ٹانک ہے جبکہ بعض اطباء کی تحقیق کے مطابق نارمل اور صحت مند عورتوں کا بچوں کو دودھ پلانا ان عورتوں کی بہت سی اندرونی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔

بعض اُطباء سے منقول ہے کہ بعض دفعہ عورتوں کو ماہواری کی بے قاعدگی، بلیڈ کینسر پستان کینسر کی بیماریاں بچوں کو دودھ نہ پلانے کی وجہ سے ہو جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ ماں کا دودھ پلانا جو کہ خود اس کی اور بچہ کی صحت کا ضامن تھا اب وہی دودھ ماں کے اندر بیماریاں پیدا کرنے کا سبب بن گیا ہے ماں کے دودھ کا اخراج گویا بچہ کے لئے اگر سببِ غذا ہے تو ماں کے لئے بمنزلۂ علاج ہے وہی ماں کا دودھ جو کہ ایک اُبلتا ہوا چشمہ تھا دودھ پلانا ترک کرنے کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے۔ پھر خراب ہو کر پورے جسم میں سرایت کر جاتا ہے جس کا اثر پورے جسم پر پڑتا ہے یا پستان میں جمع رہ جانے کی وجہ سے پستان میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے موذی قسم کے جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں اگر اس کا علاج نہ کیا گیا تو بعض دفعہ اس سے بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ تمام عورتوں کو ایسی موذی بیماریوں سے محفوظ رکھے۔

لہٰذا جب تک کوئی معقول عذر نہ ہو اور ماں کا دودھ موجود ہو اور بچہ کے لئے

موافق بھی آرہا ہو بچہ کو دودھ پلانا چاہیئے محض فیشن کی بناء پر دودھ پلانا چھوڑ دینا خلافِ نقل و شرع ہونے کے ساتھ ساتھ خلافِ عقل و قیاس بھی ہے۔

اس واسطے قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صیغۂ امر کے ساتھ بچوں کی ماؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ دو سال تک بچوں کو دودھ پلائیں اور دو سال اس کے لیئے آخری مدت ہے۔ (بحوالہ آیت نمبر ۲۳۳ سورۂ بقرہ)

بچوں کو دودھ پلانے کے احکام و مسائل

① اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مائیں شیر خوار بچوں کو دودھ پلائیں اور اس کی آخری مدت زیادہ سے زیادہ دو سال تک ہے اگر کسی مجبوری کی بنا پر اس سے قبل دودھ چھڑانے کی ضرورت ہو تو والدین ایسا کر سکتے ہیں۔

② البتہ اگر ماں کا دودھ کافی نہ ہو تو اُوپر کا دودھ یا غذا دے سکتے ہیں اور اس دودھ اور غذا کا خرچ باپ دے گا۔

③ بلا عذر ضد یا کسی ناجائز وجوہ کی بناء پر ماں کا دودھ نہ پلانا اور بچے کو نقصان پہنچانا سخت گناہ ہے۔

④ جب تک بچہ کی ماں بچہ کے باپ کے نکاح میں ہے یا باپ نے طلاق دے دی لیکن ابھی تک بچہ کی ماں عدت میں ہے بچے کو بلا معاوضہ دودھ پلانا اس پر واجب ہے، شوہر سے کسی اجرت کا مطالبہ کرنا جائز ہے جبکہ ان حالات میں عورت کو بچہ کے باپ سے نان و نفقہ کا خرچہ ملتا ہے۔

⑤ بیوی کا نان و نفقہ یا مطلقہ جو عدت میں ہے اس کا خرچہ عدت گذرنے تک شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق اس پر واجب ہے۔

اگر بچہ کی ماں مطلقہ ہوگئی اور عدت بھی گذر چکی ہے اور شیر خوار بچہ کی مدت

ابھی تک ختم نہیں ہوئی تو ماں دودھ پلانے پر معقول اجرت اور معاوضہ کا مطالبہ کرسکتی ہے بغیر معاوضہ کے دودھ پلائے گی تو بہتر اور ثواب ہے کیونکہ ماں ہونے کے اعتبار سے ایک گونہ اس پر حق بھی ہے۔

(۶) دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت شرعًا (صحیح قول کے مطابق) دو سال ہے اس سے زائد بلا عذر دودھ پلانا گناہ ہے۔

(۷) عذر کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۸) عذر کی صورت میں جبکہ بچّہ کوئی اور غذا استعمال نہ کرتا ہو یا فورًا دودھ چھڑانے سے اس کا کسی شدید مرض میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو ڈھائی سال تک دودھ پلانے کی گنجائش ہے جو کہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت ہے۔

(۹) دو سال کے اندر اندر دو سال کی مدت پوری کرنے سے قبل اگر ماں باپ دونوں باہمی مشورے سے بچّہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تو جائز ہے جبکہ اس میں بچّہ کا فائدہ ہو یا کم از کم اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱۰) لیکن اگر بچہ کو دودھ چھڑانے کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا ہے، تو دو سال کی مدت پوری ہونے سے قبل دودھ چھڑانا درست نہیں۔

(۱۱) دودھ کے علاوہ بچّہ کے دیگر اخراجات، دوا علاج وغیرہ کا خرچہ سب باپ کے ذمہ واجب ہیں۔

(۱۲) ماں کے مطلقہ ہونے کی صورت میں باپ پر صرف بچّہ کے دودھ کی اجرت کی ذمہ داری نہیں بلکہ بچّہ کے دوسرے تمام اخراجات کی ذمہ داری بھی ہے۔

(۱۳) ماں کے مطلقہ ہونے کی صورت میں بچّہ کی پرورش کا حق شرعًا ماں کو ہوتا ہے۔

(۱۴) سات سال لڑکا اور نو سال تک لڑکی ماں کی پرورش میں رہنے کا حکم ہے اگر ماں کا کسی اجنبی شخص سے نکاح ہو گیا اور وہ بچّہ کی پرورش کرنے پر راضی

نہیں تو پھر بچّہ کی پرورش کا حق نانی یا پرنانی کو حاصل ہوتا ہے۔

○ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو دادی کو پھر پھوپھی اور پھر خالہ کو حق پہنچتا ہے ماں کا حق سب پر مقدم ہے۔

نیز آیت مذکورہ میں فرمایا گیا کہ:

"بچّہ کی خاطر ماں کو تکلیف نہیں دی جائے گی اور نہ ہی باپ کو کسی امر پر مجبور کیا جائے گا"

شیر خوار بچّے کے سلسلہ میں ماں کو تکلیف دینا درست نہیں

آیت مذکورہ سے مندرجہ ذیل احکام و مسائل معلوم ہوئے۔

عام طور پر باہمی جھگڑے یا طلاق کی صورت میں ماں سے شیر خوار بچّہ کو چھین لیا جاتا ہے جبکہ پرورش کا حق ماں کو ہوتا ہے وہ بچّہ کو دودھ پلا سکتی ہے اور اس پر راضی بھی ہے لہٰذا باپ کا یہ فعل جائز نہیں ہے۔

ماں کو عذر یا بیماری ہے یا طلاق کی صورت میں اس کا دوسری جگہ نکاح ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے دودھ نہیں پلا سکتی پرورش نہیں کر سکتی اور بچّے کے باپ کی جانب سے دباؤ ڈالا جاتا ہے یہ بھی جائز نہیں۔

یا طلاق کے بعد باپ دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے واسطے بچّہ کو ماں کے حوالے تو کر دیتا ہے لیکن دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ کرنے کے باوجود اجرت نہیں دیتا یا معقول اجرت نہیں دیتا۔ بچہ کے دوسرے اخراجات مثلاً اوپر کے دودھ غذا، کپڑا، علاج کا خرچہ نہیں دیتا، سارا خرچہ ماں پر ڈال دیا جاتا ہے یہ سب امور ماں پر زیادتی ہیں اور ناجائز ہیں خاص کر جبکہ ماں کی مالی حالت صحیح نہ ہوں پھر تو بہت ہی بری بلکہ ظلم در ظلم کی بات ہے۔

اسی طرح مدتِ پرورش کے گذرنے کے بعد بھی بعض دفعہ باپ بچّہ کا خرچہ

دیئے بغیر ماں یا ننہیال کے پاس چھوڑ دیتے ہیں یہ بھی درست نہیں ہے۔ خرچہ کا اہتمام کرنا اس پر لازم ہے۔

○ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماں کمزور ہوتی ہے وہ صحت کی خرابی کی وجہ سے دودھ نہیں پلا سکتی لیکن باپ اس پر دباؤ ڈالتا ہے کہ خواہ مخواہ دودھ پلانا پڑے گا، اوپر کا دودھ پلانے کے واسطے خرچہ نہیں دیتا اور عورت خواہی یا نہ خواہی مجبوراً دودھ پلاتی ہے جس سے ماں کی صحت مزید خراب ہو جاتی ہے اور اس سے بچّہ کی صحت پر بھی اثر پڑتا ہے تو باپ کا رویّہ ماں اور بچّہ کے ساتھ ضرر پہنچانے میں آتا ہے۔

بعض دفعہ ماں کا دودھ ہوتا ہے اور وہ دودھ پلانا بھی چاہتی ہے لیکن ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق دودھ بچّہ کے موافق نہ آنے کی وجہ سے ماں انکار کرتی ہے جبکہ باپ دودھ پلانے پر ماں کو مجبور کرتا ہے یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس میں بچّہ کے ساتھ زیادتی اور ظلم ہوتا ہے ایسی حالت میں باپ کو چاہیئے کہ اجرت پر یا بلا اجرت کسی دوسری عورت سے دودھ پلانے کا انتظام کرے یا کم از کم اوپر کا دودھ پلانے کا انتظام کرے۔

○ اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماں کا دودھ ہوتا ہے اور دودھ بچّہ کے موافق بھی آرہا ہے لیکن شوہر سے ناراضگی یا ضد کی بنا پر ماں بچہ کو دودھ نہیں پلاتی تو یہ عورت کی جانب سے زیادتی اور ظلم ہے۔

بچے کے بارے میں باپ پر زیادتی نہیں کی جائے گی

آیت مذکورہ میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:

"بچّہ کی وجہ سے باپ کو بھی بلا وجہ تکلیف نہیں دی جائے گی"

جس کی تشریح اس طرح ہے کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ باپ کے پاس دودھ

پلانے اور پرورش کرنے کا کوئی راستہ یا ذریعہ نہیں ہوتا اور مطلقہ عورت شیر خوار بچّہ کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے پر رضامند نہیں ہوتی جس سے بچّہ کو نقصان پہنچتا ہے اور باپ کو بھی تکلیف پہنچتی ہے ایسا کرنا عورت کے لئے ناجائز ہے۔

○ یا ماں دودھ پلانے اور پرورش کے لئے رضامند ہو جاتی ہے لیکن ضرورت سے زائد خرچ مانگتی ہے۔

○ یا دودھ کی نامعقول اجرت مانگتی ہے یہ سب باتیں خلاف شرع ہیں اور ناجائز ہیں۔

○ یا باپ مفلس اور غریب ہوتا ہے فی الوقت اجرت یا خرچ نہیں دے سکتا اور ماں کی مالی حیثیت ٹھیک ہوتی ہے لیکن پھر بھی باپ کو نقد خرچہ کے لئے مجبور کرتی ہے یہ بھی جائز نہیں ہے بلکہ اس صورت میں باپ پر احسان کرنا چاہیئے یا کم از کم اس کو مہلت دینا چاہیئے۔

○ اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچّہ ماں کی پرورش میں ہوتا ہے باپ اسے دیکھنے جاتا ہے ماں یا اس کے رشتہ دار باپ کو بچّہ سے ملنے نہیں دیتے جس سے باپ کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر تکلیف پہنچتی ہے ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے بلکہ دودھ پیتے بچّہ کو باپ دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔ ماں یا ننھیالی رشتہ داروں کو چاہیئے کہ باپ کو اپنے بچہ کو دیکھنے کا موقع فراہم کریں۔

○ دودھ چھڑانے کے بعد بھی مدتِ پرورش میں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے باپ جب چاہے ہفتہ، پندرہ یا مہینہ میں بچہ کو دیکھ سکتا ہے بچّہ کو اس طرح سے الگ رکھنا کہ نہ دیکھ سکے درست نہیں ہے۔

○ مدتِ پرورش ختم ہونے کے بعد باپ اگر چاہے تو مطلقہ بیوی یا اس کے خاندان سے اپنے بچّہ یا بچّی کو اپنی کفالت میں پرورش اور تعلیم و تربیت کے واسطے

لاسکتا ہے یہ باپ کا حق ہے، ماں کے رشتہ داروں کے لئے یہ جائز نہیں کہ بچّہ یا بچی کو مدتِ پرورش کے بعد بھی باپ کے حوالے نہ کریں۔

○ ہاں باپ اپنی مرضی اور خوشی سے اگر مزید کچھ عرصہ پرورش کے لئے یا تعلیم وتربیت کے واسطے ماں کے پاس چھوڑنا چاہے اور اخراجات بھی ادا کرتا رہے تو یہ جائز ہے۔

○ بچوں کی تعلیم وتربیت اور بالغ ہونے تک ان کا خرچ باپ کے ذمّہ ہوتا ہے باپ نہ ہونے کی صورت میں بچّہ کی ماں پر اس کا خرچہ ہے اور اگر بچّہ کے پاس مال نہیں تو بچّہ کے جو رشتہ دار وارث بن سکتے ہیں ان پر بچّہ کا خرچہ واجب ہیں۔

○ مثلاً شیرخوار بچہ کے والد زندہ نہیں اور بچہ کو وراثت میں کوئی بھی مال نہیں ملا بچہ کے اپنے اخراجات کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے البتہ بچہ کی ماں اور دادا زندہ ہیں تو بچہ کے اخراجات ماں اور دادا دونوں برداشت کریں گے ماں ایک تہائی اور دادا دو تہائی خرچہ ادا کرے گا اور اگر ماں کے پاس کچھ نہیں تو دادا ہی ادا کرے گا۔

○ دوسری مثال یہ کہ باپ زندہ نہیں نہ دادا، صرف چچا زندہ ہیں، ماں نہیں یا ماں کے پاس مال نہیں تو بچّہ کا خرچہ سب چچا برابر حصّہ کے اعتبار سے ادا کریں گے۔

○ غرض بچہ کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا جملہ خرچہ باپ کی زندگی میں بالغ ہونے تک باپ پر واجب ہے اگر باپ نہیں اور بچّہ کے پاس مال بھی نہیں تو اس وقت اس کی پرورش تعلیم وتربیت کا خرچہ تابلوغ وارث رشتہ دار کے ذمّہ واجب ہے۔

○ اگر یتیم بچّہ کا وارث یا ورثار استطاعت رکھتے ہوئے ان کی پرورش، تعلیم وتربیت کا خرچہ برداشت نہیں کرتے تو وہ شرعاً سخت گنہگار ہوں گے البتہ بچّہ کے وارث خود اگر غریب اور فقیر ہیں تو ان پر گناہ نہ ہوگا۔

○ واضح رہے کہ یہاں پر تعلیم سے مراد بقدر ضرورت دینی تعلیم دلانا ہے اور دینی

تعلیم میں قرآن مجید کا صحتِ حروف کے ساتھ ناظرہ پڑھوانا اگر استطاعت ہو تو مختصر ترجمہ و تفسیر سمجھنے تک ضروری تعلیم دلانا اور دینِ اسلام کے جملہ احکام میں سے ضروری چیزوں کی تعلیم دلانا جس سے تمام عبادات کے مسائل معلوم ہو جائیں، معاملات درست ہو جائیں، اخلاق کی اصلاح ہو جائے تمام کفریات و بدعات سے بچ سکے، حرام اور نا جائز امور سے اجتناب کر سکے اور دینی تعلیم دلانا بمنزلہ فرض ہے اور دنیا دی تعلیم بمنزلہ ہنر اور پیشہ کے جائز ہے زیادہ سے زیادہ کمال کی بات ہے۔

بچہ کو دنیوی اعلیٰ تعلیم دلانا لازم نہیں نہ ہی دینی اعلیٰ تعلیم دلانا باپ یا وارث کے ذمہ فرض یا واجب ہے جبکہ شہر میں اعلیٰ تعلیم یافتہ محقق علمار مفتی اور فقیہ حضرات موجود ہوں پھر بھی اگر کوئی خوش قسمت باپ یا وارث اپنے بچہ یا یتیم بچّہ کو دینی اعلیٰ تعلیم دلاتا ہے تاکہ دینِ اسلام کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ اور اس کی اشاعت ہو سکے تو یہ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنتِ صحابہؓ ہے علمار اور فقہار کا طریقہ ہے بہت ہی قابلِ مبارک باد اور لائقِ تحسین عمل ہے۔

مگر کسی شہر میں اگر محقق اور ماہرِ علوم شرعیہ عالِم اور مفتی وغیرہ نہیں ہے تو اس شہر میں سے کسی طالب علم کا ماہرِ علوم شرعیہ بننا فرض کفایہ ہے لہٰذا باپ یا وارث کے ذمّہ اس کا خرچ برداشت کرنا بھی ضروری ہے۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم اور اخلاقی تربیّت

اللہ تعالیٰ کے سارے برگزیدہ پیغمبروں کی اور خاص کر سیّدالانبیا صلوات اللہ علیہ وعلیہم اَلف الف مرّات اَجمعین کی تعلیم اور ہدایت ہے کہ صاحبِ اولاد پر اولاد کا یہ حق ہے کہ وہ بچوں کے بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ شروع ہی سے ان کی

دینی تعلیم و تربیت کی فکر کریں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی اور غفلت نہ کریں اور اس سلسلہ میں باپ یا وارث نے اگر بچہ کی دینی تعلیم و تربیت میں غفلت کی اور اس کے نتیجہ میں بچہ بد دین اور بد اخلاق ہو گیا ہے تو وہ اس کا ذمہ دار ہے اور اس کا گناہ اس کو بھی ہو گا۔ آخرت میں اس بارے میں اس سے باز پرس ہو گی، اسی دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت کے پیش نظر سید الکونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتحوا علی صبیانکم أول کلمۃ بلا إلہ إلا اللہ ولقنوھم عند الموت لا إلہ إلا اللہ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو زبان کھولنے کے بعد سب سے پہلا کلمہ "لا إلہ إلا اللہ" کہلواؤ اور ان کی موت کے وقت کلمہ "لا إلہ إلا اللہ" کی تلقین کرو۔

(رواہ البیہقی، بحوالہ معارف الحدیث)

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے بچوں کو توحید یعنی اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کی تعلیم دینا ضروری ہے پھر رفتہ رفتہ دینِ اسلام کے دوسرے بنیادی عقائد کی تعلیم دی جاوے بچوں کو زبانی یاد کرائی جاویں اگر شروع ہی سے اسی طور پر تربیت شروع ہو گی تو انشاء اللہ شعور اور تمیز پیدا ہونے کے بعد ان کی دینی تربیت بہت ہی آسان ہو جائے گی اور جس گھر میں شروع سے دینی تعلیم کا اہتمام نہ ہو گا بلکہ ابتداء ہی سے دنیوی تعلیم و تربیت کو اہمیت حاصل ہو گی تو بعد میں دینی تعلیم اور تربیت کے واسطے بچوں کو تیار کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آسکتی ہیں۔

○ حضرت سعید بن العاص سے روایت ہے کہ:

أن رسول صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وسلم قال ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن (ترمذی ص ۱۷ ج ۲)

فرمایا کہ کسی باپ نے اپنی اولاد کو جو کچھ دیا ہے اس میں کوئی تحفہ یا عطیہ اس کی اچھی سیرت اور حسن ادب سے بہتر نہیں ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عموماً باپ اپنی اولاد کو دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کے علاوہ مال و دولت جائیداد منقولہ و غیر منقولہ دے کر دنیا سے جانا چاہتا ہے اور اس میں خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس نے اپنے بچہ کو سب کچھ دے دیا ہے اور اس کے واسطے سب کچھ کر کے دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور اس پر خود باپ اور دوسرے رشتہ دار بلکہ ہر دیکھنے جاننے والا فخر محسوس کرتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ یا وارث اپنے بچّہ یا رشتہ دار کو تعلیم و تربیت اور جائیداد میں سے جو بھی اسباب دے کر جاتے ہیں اس میں سب سے بہترین عطیہ سب سے بڑا تحفہ اس کو دینی تعلیم و تربیت دینا ہے اور اچھی سیرت سے آراستہ کرنا ہے۔

لہٰذا کوئی شخص اگر ساری چیزیں اولاد کو دے کر گیا اور دنیا بھر کی تعلیم دلائی لیکن ضروری دینی تعلیم و تربیت نہیں دلائی، اچھی سیرت اور اخلاق حسنہ سے آراستہ نہیں کیا تو گویا وہ اپنی اولاد کو خاص تحفہ دے کر نہیں گیا اس لئے ہمیں اور ہر مسلمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے۔

○ حدیث شریف میں ہے:

عن انس بن مالك يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اكرموا اولادكم واحسنوا أدبهم. (ابن ماجہ ص ۲۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی اولاد کا اکرام کرو اور اچھی تربیت کر کے احسن ادب سے آراستہ کرو۔

حدیث مذکور میں اولاد کا اکرام کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم اولاد کو عطیہ الٰہی اور نعمت خداوندی سمجھو ان کی قدر کرو، ان کی اچھی پرورش، اچھی تعلیم و تربیت کرو اور انہیں باکمال بناؤ اولاد امانت خداوندی ہے، انہیں ضائع نہ کیا کرو ان کی پرورش کو بوجہ نا جائز مزدوری دینی تعلیم سے محروم رکھ کر ان کو اپنے ہاتھوں نہ بگاڑو کیونکہ ان کا بگاڑ ہلاکت کے مترادف ہے، تعلیم کی باقی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

ختان یعنی بچوں کا ختنہ کرانا شعائر اسلام اور سنت ابراہیمی ہے

بچہ جب ختنہ کے عمل کو برداشت کرنے کے قابل ہو خواہ ساتویں دن یا اس کے بعد ختنہ کر دینا فطرت اسلام اور اسلام کے خاص شعائر میں سے ہے اس کے ثبوت کے بارے میں مختلف احادیث ملتی ہیں بطور نمونہ دو تین روایات نقل کی جاتی ہیں اس کے بعد احکام لکھے جائیں گے۔

○ حدیث شریف میں ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس من الفطرۃ قص الشارب و نتف الإبط و تقليم الأظفار و الاستحداد و الختان ۔ (نسائی ص ، ج ۱، ابوداؤد ج ۲ ، مصنف عبدالرزاق ج ۱۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں (۱) مونچھوں کا کاٹنا (۲) بغل کے بالوں کو صاف کرنا (۳) ناخنوں کا کاٹنا (۴) زیر ناف کے بالوں کا صاف کرنا (۵) بچوں کو ختنہ کرنا۔

دوسری روایت میں ہے:

قالت قال رسول اللہ صلی اللہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی

عليه وسلم عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواك والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء يعني الاستنجاء قال زكريا قال مصعب ونسيت العاشرة الا ان تكون المضمضة ۔
(ابوداؤد ص ۸ ج ۱)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (۱) مونچھوں کا کاٹنا (۲) داڑھی کا بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) پانی سے ناک صاف کرنا (۵) ناخنوں کا کاٹنا۔ (۶) براجم کا دھونا (۷) بغل کے بالوں کو صاف کرنا (۸) زیر ناف بالوں کی صفائی یعنی مرد اور عورت کا اپنے آگے اور پیچھے کے راستہ کے اطراف سے غیر ضروری بالوں کو صاف کرنا۔ (۹) پاخانہ یا پیشاب کے بعد پانی کا استعمال کرنا (اگر ڈھیلا بھی استعمال کیا جائے بہت ہی اچھی بات ہے) (۱۰) کلی کرنا۔

○ تیسری روایت میں ہے:

قال في الختان هو للرجال سنة وللنساء طهرة ۔
(مصنف عبدالرزاق ص ۱۷۴ ج ۱۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ختنہ کرنا مردوں کے واسطے سنت ہے عورتوں کے واسطے پاکیزگی (اور سبب لذت) ہے۔

حدیث مذکور میں عورتوں کے واسطے ختنہ کرانے کو باعث لذت کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے ختنہ کرانے کی سنت اور فطرتِ اسلام میں ہونا یہ صرف مردوں کے واسطے ہے عورتوں کے واسطے سنت نہیں ہے بلکہ مکرمت ہے۔ یعنی

جب ضرورت پڑے اور آگے کے راستہ کے اوپر کی کھال موٹی ہونے کی وجہ سے مباشرت میں لذت محسوس نہ ہوتی ہو تو ختنہ کرا لینے سے لذت محسوس ہونے لگے گی اور یہ عموماً ایسے ممالک کی عورتوں کو ضرورت پڑتی ہے جو کہ گرم علاقے ہیں اور وہاں کی عورتیں زیادہ صحت مند ہوں جیسا کہ بعض عرب ممالک۔

○ چوتھی روایت میں ہے:

أنه كره ذبيحة الارغل وقال لاتقبل صلاته ولا يجوز شهادته۔
(مصنف عبدالرزاق ص ۱۷۵ ج ۱۱)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس نے ختنہ نہیں کرایا اس کا ذبیحہ مکروہ ہے اور اس کی نماز اور گواہی کچھ بھی قبول نہیں ہے۔

واضح رہے کہ نماز اور گواہی قبول نہ ہونے کی وعید اس لئے ہے کہ بلا عذر ختنہ کرانے کی اہم سنّت اسلام اور سنّتِ ابراہیمی بلکہ شعائر اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث میں جن چیزوں کو فطرت اسلام میں شمار کیا ہے سب سے پہلے ان چیزوں کی مختصر تشریح دیکھ لیجئے پھر ختنے کے مسائل لکھے جائیں گے۔

دس چیزیں فطرت اسلام میں سے ہیں ان کی تفصیل

(۱) داڑھی رکھنا اور مونچھوں کا کٹوانا

○ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية الخ
(رواہ مسلم ص ۱۲۹ ج ۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں مونچھوں کا کٹوانا اور داڑھی کا بڑھانا۔ الخ

○ ایک حدیث میں ہے :

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم احفوا الشوارب واعفوا اللحی وفی روایۃ أنہ أمر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیۃ ۔
(مسلم ص ۱۲۹ ج ۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مونچھوں کو کٹوا دو اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھوں کو کٹوانے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا ہے۔

○ ایک اور حدیث میں ہے ۔

أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من لم یاخذ من شاربہ فلیس منا ۔
(رواہ الترمذی والنسائی واحمد بحوالہ مشکوٰۃ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم سے نہیں ہے ۔

○ ایک دوسری حدیث میں ہے :

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال ۔
(رواہ البخاری بحوالہ مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے ۔

ان احادیث سے مجموعی طور پر جو باتیں معلوم ہوئیں وہ یہ ہیں۔

○ داڑھی کا بڑھانا اسے لمبا کرنا اور مونچھوں کو کٹوانا اسلام اور انسان کی فطرت میں سے ہے اور داڑھی کا کٹوانا مونچھوں کا بڑھانا جیسا کہ آج کل بیشتر لوگوں کی عادت ہے فطرتِ اسلام اور انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

○ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اسلام اور انسانی فطرت کو نہ صرف بگاڑتے ہیں بلکہ اس سے بغاوت کرتے ہیں۔

○ ایسے لوگ اطاعتِ رسولؐ کی جگہ اطاعتِ شیطانِ لعین کرتے ہیں۔

○ ایسے لوگ شیطانِ لعین، کفّار، فسّاق و فجّار کو خوش کرتے ہیں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے پیروکار صدیقین، شہداء، صالحین اور فرشتوں کو ناراض کرتے ہیں۔

○ جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنّت کی مخالفت کرتے ہیں۔

○ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغیر کرتے ہیں جیسا کہ صاحب تفسیر مظہری نے تغییر خلق اللہ کی تفسیر میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

○ جو لوگ داڑھی منڈواتے ہیں وہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں جو کہ جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ داڑھی رکھنا سُنّت انبیاء اور سنت صحابہ کرامؓ ہے اور فطرت اسلام میں سے ہے جیسا کہ روایتِ عائشہؓ اس پر واضح نص صریح ہے۔ تمام ائمہؒ اربعہ کے نزدیک داڑھی کا رکھنا واجب ہے، داڑھی نہ رکھنا منڈوانا یا ایک مشت سے کم کرنا خلافِ فطرت اور خلافِ سنّت ہے، جمہور صحابۂ کرامؓ کی مخالفت ہے مشرکین اور غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے کسی کے نزدیک اس کا منڈوانا حلال نہیں بلکہ حرام ہے۔ (شامی)

○ داڑھی کا مذاق اڑانا تحقیر کرنا اس کا انکار کرنا کفر ہے جس کے بعد تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح لازم ہو جاتی ہے۔

○ داڑھی کم از کم ایک مشت کے برابر رکھنا ضروری ہے اس سے کم کرنا جائز نہیں ہے جو لوگ خشخشی داڑھی رکھتے ہیں اس سے داڑھی کی سنت ادا نہیں ہوتی اس کا حکم داڑھی نہ رکھنے کے برابر ہے۔ (کذافی الشامی)

(۲) مونچھوں کا کاٹنا

مونچھوں کا کاٹنا اور کم کرنا بھی سنّت ہے اس کا بڑھانا خلافِ فطرت اور خلافِ سنّت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مونچھوں کو بڑھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا مونچھوں کو بلیڈ اور استرے سے صاف کرنا یا قینچی سے کاٹنا یہاں تک کہ ہونٹوں کے برابر ہو جائے سنّت ہے۔

استرے یا بلیڈ سے صاف کرنے کی بجائے قینچی سے کاٹنا زیادہ افضل ہے مونچھوں کو لمبا کرنا جس سے کھانے اور پینے کی چیزوں میں مونچھیں لگتی ہوں مکروہ تحریمی ہے، پھر اس میں کافروں اور فسّاق و فجّار کی مشابہت ہے بعض لوگ بلا عذر شرعی نصف انچ یا ایک انچ بلکہ اس سے بھی زیادہ مونچھیں بڑھاتے ہیں یہ خلافِ فطرت ہے اور سنّتِ رسولؐ اور فرمانِ پیغمبر کی صریح مخالفت ہے اس سے باز آجانا چاہیئے۔ پھر سنّتِ رسولؐ کا مقابلہ کرنا اور سنّتِ رسولؐ کی تحقیر کرنا تو موجب کفر ہے۔ لہٰذا بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۳،۴) پانی سے ناک صاف کرنا اور کلی کرنا

یہ دونوں امر وضو اور غسل سے متعلق ہیں وضو کرتے وقت ناک میں تین مرتبہ پانی ڈال کر اسے صاف کرنا پھر تین مرتبہ کلی کرنا بھی سنّت ہے باقی کھانے کے موقع پر کلی

کرنا یہ بھی سنّت یعنی مستحب ہے۔

○ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

حدثنا وکیع عن ھلال بن اُمیۃ عن ابن سیرین قال کانوا یمضمضون ویستنشقون وینثرون (مصنف بن ابی شیبہ ص ۳۳ ج ۱)

ابن سیرین ؒ سے روایت ہے کہ یہ لوگ یعنی صحابۂ کرام ؓ طہارت میں کلی کرتے اور ناک صاف کیا کرتے تھے۔

○ ایک روایت میں ہے:

اُلاستنشاق شطر الطھور وفی روایۃ نصف الطھور (مصنف بن ابی شیبہ ص ۳۳ ج ۱)

کہ طہارت کے موقع پر ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرنا طہارت کا نصف حصّہ ہے۔

○ ایک روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ:

کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بڑی طہارت یعنی غسلِ جنابت میں فرض ہیں اور چھوٹی طہارت یعنی وضو میں سنّت ہے۔ (کمافی الہدایۃ)

یعنی کلی تین مرتبہ کرنا اس طرح ناک میں تین مرتبہ پانی ڈالنا سنّت ہے اور یہ کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسلِ فرض میں ایک ایک مرتبہ فرض ہے اور تین تین مرتبہ سنّت ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر جنابت کے غسل میں ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا رہ گیا ہے تو جب تک ان کا اعادہ نہیں کیا جاتا اس وقت تک غسلِ فرض ادا نہ ہوگا آدمی ناپاک رہے گا۔

البتہ وضو میں یہ دونوں چیزیں سنّت ہیں اگر کرتے ہیں تو وضو کی سنّیت ادا ہوجائے گی ورنہ وضو ناقص رہے گا۔

واضح رہے کہ جب روزہ نہ ہو تو کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کرنا مستحب ہے البتہ روزہ کی حالت میں کلی میں اس طرح مبالغہ کرنا کہ غرغرہ سے حلق میں پانی جانے کا اندیشہ ہو مکروہ ہے اسی طرح ناک میں پانی ڈالنے میں اس طرح مبالغہ کرنا کہ ناک کے سوراخ سے پانی حلق میں چلے جانے کا خطرہ ہو یہ بھی مکروہ ہے۔

اگر اتفاق سے غلطی میں کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے کے موقع پر روزہ کی حالت میں حلق میں پانی چلا گیا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہو گی کفارہ نہیں۔

(۵) مسواک کرنا

نیند سے بیدار ہونے کے بعد اور جب دانت اتنے میلے ہو جائیں کہ ان پر زردی آجائے اسی طرح وضو اور غسل کے موقع پر مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ اور فطرتِ اسلام میں سے ہے اگر وضو ہے تو بھی نماز شروع کرنے سے قبل مسواک کرنا پھر کلی کر لینا افضل ہے۔

○ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم السواک مطهرة للفم ومرضاة للرب (اخرجہ احمد ص ۱۰، ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسواک کرنے سے چونکہ دانت صاف ہو جاتے ہیں اس لئے منہ کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

○ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لولا أن أشق علی أمتی لأمرتهم بالسواك

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کو مشقت میں ڈالنے کا احساس نہ ہوتا تو ہر نماز کے موقع پر

عند کل صلوٰۃ (اخرجہ احمد صؔ ۱۲۰ ج ۱) — مسواک کا حکم دیتا۔

مطلب یہ ہے کہ حکمِ وجوبی دیتا چونکہ مشقت کا احساس تھا اس لئے حکم وجوبی تو نہیں دیا البتہ حکمِ سُنّیت باقی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حدثنا عبد اللہ حدثنی أبی ثنا ابن مہدی عن سفیان عن أبی اسحق عن التمیمی عن ابن عباس فذکوشیئا قال وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر السواک قال حتی ظننا أو رأینا انہ سینزل علیہ۔ (مسند احمد صؔ ۲۸۵ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہمیشہ مسواک کرنے کا اس طرح تاکیدی حکم کرتے تھے کہ ہمیں اندیشہ ہوتا تھا کہ شاید اس پر کوئی حکم نازل ہونے والا ہے۔

مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکید کرنے سے ہمیں مسواک کے فرض ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد خشیت ان یفرض علیَّ وعلی اُمّتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید مسواک کو مجھ پر اور میری امت پر فرض قرار دیا جائے گا (لیکن ایسا نہ ہوا)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ماجاءنی جبرئیل قط الا أمرنی بالسّواک (مسند احمد ص ۲۶۵ ج ۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور مسواک کا ذکر نہ کیا ہو بلکہ ہر دفعہ مسواک کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حدثنا یزید بن ھارون عن حجاج عن مکحول قال قال ابو ایوب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من سنن المرسلین التعطر والنکاح والسواک والحناء۔

(مصنف بن ابی شیبہ ص ۱۷۰ ج۔۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں (۱) عطر کا استعمال کرنا (۲) نکاح کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) داڑھی پر مہندی کا استعمال کرنا بعض روایتوں میں حیاء کرنا آیا ہے۔

مسواک کے بارے میں اتنی روایات وارد ہیں کہ تواتر تک پہنچتی ہیں اس واسطے مسواک کا حکم اگرچہ فرض یا واجب کے درجہ میں نہیں ہے لیکن سنّتِ مؤکدہ سے کم درجہ میں بھی نہیں ہے۔ مسواک نہ کرنا خلاف سنّت اور مکروہ ہے اور اس کا انکار یا اس کی توہین وتحقیر کرنا موجبِ کفر ہے۔

مسواک کے فوائد بے شمار ہیں۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ان کو ذکر کیا ہے البتہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمۂ شہادت نصیب ہوگا۔ منہ کی صفائی دانت کی صفائی، اللہ کی رضا مندی، معدے کی اصلاح وغیرہ کے فوائد الگ ہیں۔

(۶) ناخنوں کا کاٹنا فطرتِ اسلام میں سے ہے نہ کاٹنا خلافِ فطرت ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الطھارۃ اربع قص الشارب وحلق العانۃ وتقلیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں طہارت اور پاکیزگی کی ہیں، مونچھوں کو (قینچی سے) کٹوانا اور موئے زیر ناف کو (استرے سے) صاف

الأظفار والسواك۔ (رواه البزار | کرنا اور تمام زائد ناخنوں کو کاٹ دینا
المجمع ص ۱۶۸ ج ۵، تلخیص ص ۷۰ ج ۱) | مسواک کرنا۔

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ ہر ہفتہ ناخن کاٹنا سنت ہے بلا عذر تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے اور چالیس روز سے پہلے پہلے کاٹنا تو ضروری ہے اس سے تاخیر کرنا گناہ ہے، نیز ناخن کاٹنے میں صفائی، پاکیزگی، خوبصورتی ہے اور سنت پر عمل ہوتا ہے اور نہ کاٹنے میں پاکیزگی نہیں رہتی کیونکہ اندر میل جم جاتی ہے نیز کافروں اور غیر مسلموں کی مشابہت ہوتی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے۔

یہ حکم مرد اور عورت سب کے لئے ہے نابالغ بچوں کے ناخن کاٹنا والدین اور سرپرستوں پر لازم ہے۔

مسائل واحکام

○ بلا عذر شرعی ناخن بڑھانا گناہ ہے۔

ناخن کاٹنا جیسا کہ بڑوں کے لئے سنت ہے چھوٹوں کے لئے بھی سنت ہے۔ ولی اور سرپرست کو چاہیئے کہ ہر ہفتہ بچوں کے ناخن کٹوانے کا اہتمام کرے۔

○ ناخن کاٹنا دائیں جانب سے شروع کر کے بائیں جانب کے ہاتھ پر ختم کرنا مستحب ہے۔

○ ناخنوں کو ہفتہ کے کسی بھی دن کاٹنا جائز ہے۔

○ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے روز ناخن کاٹنے کا ثبوت کتبِ حدیث میں مذکور ہے لہٰذا جمعہ کے روز ناخن کاٹنا زیادہ اجر کا باعث ہے بعض روایات میں جمعرات کے روز حجامت بنوانے کا ذکر بھی آتا ہے لہٰذا جمعرات یا جمعہ کے روز قبل الجمعہ اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

○ ناخن بلا ترتیب کاٹنا بھی جائز ہے البتہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت

انگلی سے شروع کرکے چھنگلی پر ختم کرے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرکے انگوٹھا پر ختم کرے اخیر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھا کے ناخن کاٹے۔ پاؤں کے ناخن کاٹنے میں یہ ترتیب رکھے کہ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگر دائیں ہاتھ سے شروع کرے اور بائیں ہاتھ پر ختم کرے اس سے بھی سنّت ادا ہو جائے گی۔

○ بعض مرد اور عورتیں بلا کسی معقول وجہ کے محض فیشن کے طور پر ناخنوں کو لمبا کرتے ہیں یہ درست نہیں ہے مکروہ تحریمی ہے۔ پھر عورتیں ناخنوں پر نیل پالش لگالیتی ہیں جو کہ عام طور پر ناپاک ہونیکے ساتھ گاڑھی ہوتی ہے اور سوکھ کر سخت تہہ جم جاتی ہے اس کے لگالینے کے بعد چونکہ پانی ناخنوں تک نہیں پہنچ پاتا اس لئے وضو اور غسل صحیح نہیں ہو سکتا تو عورت چونکہ ناپاک رہے گی لہٰذا نہ نماز ہوگی اور نہ وضو والی دوسری کوئی عبادت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

پھر بائیں ہاتھ کے ناخن اگر لمبے ہوں تو میل اور گندگی بھر جانے کا قوی اندیشہ ہے جو خود اپنے لئے تو باعثِ شرم اور دوسروں کے لئے باعثِ تکلیف و ایذاء اور سببِ نفرت بھی ہے۔

○ ناخنوں کی طرح جن دوسری چیزوں کو کاٹنے کا حکم ہے پاکی حالت میں کاٹنا چاہیئے حالتِ جنابت میں کاٹنا مکروہ ہے البتہ غیر وضو یعنی حالت حدث میں کاٹ سکتے ہیں جائز ہے۔

(۷) بغل کے بالوں کو صاف کرنا

ہر ہفتہ میں بغل کے بالوں کو اکھیڑنا اگر ممکن ہو یا عادت ہو ورنہ کاٹنا بھی سنّت ہے جیسا کہ آپؐ کا معمول تھا۔ ہفتہ میں نہ ہو سکے تو پندرہ یا بیس روز میں کرلیں چالیس روز سے زیادہ تاخیر کرنا یا بالکل نہ کاٹنا خلافِ فطرت اور خلافِ سنّت اور مکروہ

تحریمی ہے نیز طبی اعتبار سے بیماری کا سبب بھی ہو سکتا ہے۔

⑧ زیرِ ناف کے بالوں کو صاف کرنا

○ مرد اور عورت کے لئے زیرِ ناف بالوں اور دونوں راستوں کے ارد گرد اور اطراف کے غیر ضروری بالوں کو صاف کر لینا سنّتِ رسول ؐ اور فطرتِ اسلام میں داخل ہے۔ ہر ہفتہ صاف کرنا مستحب اور زیادہ نظافت کی علامت ہے۔

واضح رہے کہ مرد کے زیرِ ناف صاف کرنے کی حدود یہ ہیں کہ دائیں بائیں دونوں ران کے جوڑ تک اور اوپر نیچے ناف کے نیچے جہاں سے بال شروع ہوتے ہیں وہاں سے دونوں راستے سمیت بیچ کے راستہ کی چاروں طرف میں سے جتنے بال ہو سکے صاف کر لیں۔

○ اگر ہر ہفتہ نہ ہو سکے تو پندرہ دن یا بیس روز میں صاف کر لیں۔ چالیس روز یا اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تحریمی اور گناہ کے ساتھ خلافِ فطرت اور گندی خصلت بھی ہے۔

○ غیر ضروری بالوں کو صاف کرنے کے واسطے مرد استرا اور بلیڈ استعمال کرے تو بہتر ہے اور عورتیں گوند یا دوسری دوائیاں استعمال کریں یہ ان کے لئے سنّت ہے عورتیں استرے اور بلیڈ استعمال نہ کریں کیونکہ ان کا استعمال کرنا عورتوں کے لئے مکروہ ہے مگر یہ کہ استرے یا بلیڈ کے علاوہ کوئی چیز نہ ملے تو بوجہ مجبوری جائز ہو گا۔

⑨ رفعِ حاجت کے بعد پانی کا استعمال کرنا

رفعِ حاجت یعنی پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد پانی سے مقام پاخانہ و پیشاب کو دھو لینا بھی فطرتِ اسلام اور سنّت انبیاء علیہم السلام ہے، ڈھیلا اور کپڑے اور دوسری

پاک چیزوں سے بھی صفائی ہو سکتی ہے لیکن پانی کے ساتھ پاک وصاف کرنا فطرت کے موافق ہے۔

○ رفع حاجت کے بعد پاکی حاصل کرنا تو فرض ہے کیونکہ پاکیزگی حاصل کئے بغیر طہارت والی کوئی عبادت صحیح نہیں ہو سکتی، خواہ یہ طہارت ڈھیلا کے ذریعہ ہو یا کپڑے یا دوسری چیزوں سے ہو لیکن مکمل طہارت پانی ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا پانی استعمال کر کے صفائی حاصل کی جائے جو کہ فطرتِ اسلام اور سنّتِ انبیاء کے مطابق ہے۔

○ اگر رفع حاجت کے ڈھیلا استعمال کیا جاوے پھر پانی سے صفائی کی جائے یہ سب سے زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

○ بعض لوگ صرف ڈھیلا استعمال کرنے پر اکتفا کرتے ہیں پھر وضو کر کے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں جبکہ کچھ نہ کچھ نجاست باقی رہتی ہے پھر پسینہ سے مل کر کپڑے میں اور جسم کے دوسرے حصے میں تجاوز کر جاتی ہے ایسی صورت میں نماز وغیرہ بالکل نہیں ہوتی لہٰذا پانی کا استعمال ضرور کریں۔

○ اور آدمی اتنا پانی خرچ کرے جس سے نجاست کی جگہ ناپاکی دور ہو جائے اور بدبو ختم ہو جائے۔

○ پانی سے استنجا کرنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح دھو لیا جائے اگر مٹی یا صابون وغیرہ استعمال کر کے دھوئے تو بہتر ہے۔

○ اور نجاست کی جگہ کی صفائی کے لئے بایاں ہاتھ استعمال کریں یہی سنّت ہے۔ دایاں ہاتھ استعمال نہ کرے مکروہ ہے۔

○ پانی سے استنجا کے بعد پیشاب پاخانہ کی جگہ کو اگر کوئی چھوٹا سا رومال یا کپڑا ہو اس سے پونچھ لیا جاوے یا ٹیشو پیپر کے ذریعہ خشک کرلیں سب سے بہتر ہے۔ اور

اگر یہ صورتیں نہ ہوسکیں تو کم از کم ہاتھ سے اس طرح پونچھ لیں کہ قطرہ ٹپکنا بند ہو جائے اور استنجا والا پانی کپڑے میں کم سے کم لگے۔

○ بعض لوگ پانی سے استنجا تو کرتے ہیں لیکن اچھی طرح نجاست اور اس کی بدبو کو دور نہیں کرتے جس کا احساس مسجدوں میں دوسرے نمازیوں کو بھی ہوتا ہے لہٰذا جب تک نجاست کے اثرات یا بدبو موجود ہے طہارت حاصل نہ ہوگی اور طہارت نہ ہوگی تو نماز بھی نہ ہوگی مسجد کو بدبودار کرنے اور لوگوں کو ایذاء پہنچانے کا گناہ الگ ہوگا۔

⑩ بچوّں کا ختنہ کرانا اور ان کے بقیہ مسائل

بچوں کا ختنہ کرانا جبکہ وہ ختنہ کے عمل کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں، سنّتِ رسولؐ اور فطرتِ اسلام میں سے ہے اس سے اشتباہ کے موقع پر مسلم اور غیر مسلم کی شناخت کی جاتی ہے اس لئے ختنہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔

○ مفتیان کرام اور فقہاء و محدّثین نے لکھا ہے کہ کسی شہر والوں نے اگر ختنہ کرانا بالکل چھوڑ دیا ہو تو ان سے قتال کیا جائے گا۔ (کذا فی الخانیۃ)

○ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہوا ختنہ نہ کرانے والے کی نماز قبول نہ ہوگی، نہ گواہی کا اعتبار ہوگا اور اس کا ذبیحہ بھی مکروہ ہے۔

○ ختنہ کرانا سات سال کی عمر یا نو سال کی عمر تک مستحب ہے بارہ سال تک جائز ہے اس سے تاخیر کرنا بلا عذر خلافِ اَولیٰ اور مکروہ ہے۔

قریب البلوغ اور بالغ ہو جانے کے بعد گناہ کبیرہ ہے لیکن پھر بھی ختنہ کرایا جائے گا کیونکہ وہ عام سنتوں کی طرح نہیں ہے بلکہ اسلام کی خاص علامتوں میں سے ہے اور واجب ہے۔ (کذا فی الخانیۃ)

○ جو لڑکے مختون پیدا ہوتے ہیں ان کا ختنہ کرانا ضروری نہیں کیونکہ ختنہ کا مقصد

پہلے سے حاصل ہے۔

○ جو غیر مسلم بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کرے گا اس کا ختنہ ہوگا کیونکہ ختنہ کرانا سنّتِ اسلام میں سے ہے اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

البتہ اگر کوئی ایسی عمر میں اسلام قبول کرتا ہے کہ ختنہ کرانا اس کی ہلاکت یا ہلاکتِ عضو یا مرض میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتا ہے تمام مسلمان اطباء و ڈاکٹر ختنہ کرانے کو مہلک بتادیں تو اس وقت بوجۂ عذر ختنہ کرانا لازم نہیں ہے ایسے موقع پر ختنہ نہ کرانے سے گناہ نہ ہوگا۔

○ ختنہ کے موقع پر بعض علاقوں میں دعوت اور دوسری چیزوں کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، خواہ کچھ بھی ہوجائے لیکن ان رسوم کی پابندی ضرور کی جاتی ہیں یہ بہت ہی جہالت کی بات ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو کسی نے ختنہ کے موقع پر دعوت دی آپ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ختنہ کے سلسلے میں ہم دعوتوں میں نہیں جاتے تھے نہ دعوتیں ہوتی تھیں۔ (مسند احمد ص ۲۱۷ ج ۴)

البتہ بعض محدّثین کرامؒ نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ختنہ کی دعوت عام مسنون دعوتوں کی طرح نہیں ہے۔

○ لہٰذا دعوتوں کا اہتمام خصوصاً اگر حیثیت ایسی نہیں پریشانی ہو، قرض لے کر کرے پھر اس میں فضول خرچیاں کرنا یہ سب اسراف ہیں ایسی چیزوں سے پرہیز ضروری ہے لیکن اگر کوئی صاحبِ حیثیت اخلاص سے کرے تو گناہ بھی نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے۔

○ بعض علاقوں میں اس موقع پر ناچ گانے اور دوسری خرافات ہوتی ہیں۔
"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" ختنہ کی سنّت پر عمل کیا جاتا ہے لیکن گناہ اور معصیت کے ساتھ ملا کر عمل کیا جاتا ہے بڑے افسوس کی بات ہے۔ ان چیزوں کا ترک کرنا لازم ہے۔

○ بعض جگہ یہ بھی رسم ہے کہ ختنہ کے موقع پر خصوصاً اگر پہلا بچہ ہو تو ننھیال کے ذمہ کچھ نقد، کپڑے و دیگر سامان لانا ہوتا ہے اور اس کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بچہ کے ننھیال کو معتوب اور مطعون کیا جاتا ہے بعض دفعہ اس سے تعلقات خراب ہونے لگتے ہیں طرفین میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے تفریق کی نوبت آجاتی ہے۔

دیکھئے ایک رسم اور غیر ضروری عمل کے نتائج کیا نکل رہے ہیں یہ سب باتیں غیر شرعی امور ہیں خواص اور عوام سب کے لئے نوٹ کرنے کی چیزیں ہیں، ہاں ازروئے خوشی اور اخلاق کے کچھ ہدیہ دے دیں اور مقصد ریاء اور دکھاوا نہ ہو تو موجب اجر و ثواب ہے حسنِ تعلق کی علامت ہے لیکن لازم نہیں کچھ نہ لانے پر تعلق خراب اور دل میں کدورت نہ ہونی چاہیئے۔

○ ختنہ کرانے میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں کہ اس کی تشہیر یا اعلان کروایا جائے بلکہ جب بچہ ختنہ کے قابل ہو جائے چپکے سے حجّام یا ڈاکٹر جو ختنہ کرنا جانتا ہو اسے بلا کر ختنہ کرا دیا جائے اس کی اُجرت جو طے ہوئی ہے دے دی جائے۔

○ اوپر جتنے مسائل انسانی اعضاء کے کاٹے جانے سے متعلق ہیں مثلاً مونچھیں کٹوانا یا داڑھی کے لمبا ہونے کی صورت میں قبضہ سے زائد مقدار کا کٹوانا، ناخنوں کا کاٹنا، بغل کے بالوں کا صاف کرنا، زیر ناف بالوں کا صاف کرنا، ختنہ کرانا ان سب صورتوں میں کٹے ہوئے اعضاء کو دفن کر دینا چاہیئے ان چیزوں کو بیت الخلاء یا گندگی میں ڈال

دینا مکروہ ہے۔ بعض فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ اس سے بیماری پیدا ہو سکتی ہے۔

(شامی ص ۴۰۵، ج ۶)

البتہ کسی صاف جگہ میں ڈال دیں جہاں لوگوں کا گذر نہ ہو یا کم ہو اس کی گنجائش ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اسے مٹی میں دفن کر دیا جائے۔

بچّوں کی باقاعدہ تعلیم

بچوں کی تعلیم کب سے شروع ہو، اس مسئلہ میں اگرچہ ماحول، علاقہ اور خاندان کے اعتبار سے بچے مختلف عمر میں جاکر تعلیم شروع کرنے کے قابل ہوتے ہیں لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ شہری بچے پانچ سے چھ سال اور دیہاتی بچے سات سے آٹھ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم کے قابل ہو جاتے ہیں اس لئے والدین اور سرپرست کو چاہیئے کہ بچہ جب اس عمر کو پہنچ جائے تو اس کو دینی تعلیم کی غرض سے محلہ کے مکتب اور مدرسہ میں بٹھادیں۔ تاکہ قرآن پڑھنے سے قبل قاعدہ یا سپارہ وغیرہ پڑھے پھر قرآن کریم ناظرہ پڑھ سکے۔

اگر کسی گاؤں یا محلّہ میں مکتب یا مدرسہ کا انتظام نہیں تو گاؤں کے لوگوں اور محلّہ والوں کو چاہیئے کہ اس کا اہتمام کریں اور کسی اچھے قاری و دیندار عالم کی نگرانی میں مکتب یا مدرسہ کا انتظام کریں۔ جب تک اس کا انتظام نہیں ہو سکتا تو عارضی طور پر کسی تجربہ کار قاری کے ذریعہ گھر میں تعلیم کا سلسلہ شروع کرنے کا اہتمام کریں جس میں اپنے بچوں کے علاوہ دوسرے اہلِ محلّہ کے بچّے بھی شرکت کر سکیں پھر جوں جوں عمر بڑھتی جائے گی اس کی تعلیم میں ترقی ہوتی جائے گی۔

پھر بچوں کے والدین یا سرپرست اگر یہ محسوس کریں کہ بچہ دینی تعلیم کے ساتھ بلا تکلف اور بدون کسی بوجھ کے ضرورت کی حد تک دنیوی تعلیم بھی حاصل کرلے، اس کے لئے بھی کوئی راستہ نکال لیں لیکن یہ ثانوی درجہ میں ہے دینی تعلیم مقدم ہے۔

اس کو اولیت دیں۔ اگر بیک وقت دونوں طرح کی تعلیم میں لگانے سے بچہ پر شدید بوجھ پڑنے کا اندیشہ ہے تو دنیوی تعلیم کو مؤخر کردیں دینی تعلیم کو جاری رکھیں، ناظرہ قرآن کے ساتھ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے ضروری احکام اور عقائد کی تعلیم مکمل کرکے پھر چاہیں تو دنیاوی تعلیم میں لگادیں۔

لیکن افسوس! کہ آج کل اکثر مسلمان دینی تعلیم کو ثانوی درجہ دینے لگے ہیں اور دنیوی تعلیم کو ہی اوّلیت کا درجہ دیتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بچّے دینی تعلیم سے قطعی محروم رہ جاتے ہیں۔ دنیوی اعتبار سے تو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتے ہیں لیکن دینی اعتبار سے کورے رہتے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ خدا کی ذات اور اس کی صفات کیا ہیں، رسول کون ہوتا ہے، دین اسلام کن بنیادی چیزوں کا نام ہے، ایسا شخص رواجی یا خاندانی طور پر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا اور کہلاتا ہے مگر اسلام اور احکامِ اسلام کے علم سے کوسوں دور اور اس پر عمل کرنے سے کتراتا ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ راجعون۔

اس واسطے ہر مسلمان والد اور سرپرست کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم دینے کا خاص اہتمام کریں اور بچہ جب آٹھ نو سال کا ہو جائے تو اس کو مشہور پیغمبروں کے نام اور ان کے حالات اور بڑے بڑے فرشتوں کے نام کا علم ہو جائے، آسمانی کتابوں کے اسماء اور جن پیغمبروں پر یہ کتابیں نازل ہوئیں ان پیغمبروں کے نام، زندگی اور موت، قبر میں جانا، عذاب قبر، آخرت، قیامت، حساب کتاب، جنت ودوزخ کے بارے میں ضروری اور اجمالی معلومات حاصل ہوں اور عبادات نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج کے اجمالی مسائل معلوم ہوں اسی نہج پر اخلاقی تربیت بھی ہو، روزمرہ کے مختلف حالات و اوقات کی مسنون دعائیں بھی یاد کرائی جائیں۔

چنانچہ اس بارے میں حدیث پاک کو ملاحظہ کیجئے اور اس کی روشنی میں تحریر شدہ باتوں پر روشنی حاصل کیجئے۔

حضرت عمرو بن شعیبؒ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُرُوا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ

(ابوداؤد ص ۷۱، ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال عمر کو پہنچ جائیں اور جب دس سال عمر کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارا کرو اور دس سال عمر ہو جانے کے بعد ان کو اپنے بستر سے الگ اور جدا کر کے سُلاؤ۔

تشریح: عام طور پر بچے سات آٹھ سال کی عمر میں باشعور ہو جاتے ہیں لہٰذا اسی وقت سے ان کو خدا کی بندگی میں ڈال دینا چاہیئے اور ان سے نماز کی پابندی کرانا چاہیئے۔

حدیث شریف میں صرف نماز کے لئے حکم دینے کا ذکر ہے لیکن اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اسے نیکیوں میں لگا دینا چاہیئے، نماز سب سے بڑی اور بنیادی نیکی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے حکم کرنے سے قبل نماز کے مسائل اور احکام سے بھی اس کو واقف ہو جانا چاہیئے کیونکہ اگر پہلے سے بچہ نماز اور اس کے مسائل کو جانتا نہیں تو نماز کا حکم دینے کے بعد بھی نماز ادا نہیں کر سکے گا جس سے ثابت ہوا کہ نماز کے احکام کی تعلیم سات سال سے پہلے دی جائے تاکہ پھر نماز دن کا حکم کیا جائے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ بچہ کی عمر جب دس سال ہو جائے تو اسے سختی کے ساتھ

نہ صرف نماز کا حکم دیا جائے گا بلکہ نماز میں سستی کرنے پر ہلکی قسم کی پٹائی بھی کی جائے گی جس سے جسم میں زخم تو نہ ہو لیکن اس کو تکلیف کا احساس ہو اور یہ مار کسی لکڑی سے نہیں بلکہ ہاتھ سے ہو گی تاکہ اس کو اگر نماز کی رغبت نہیں تو ڈر اور خوف سے نماز پڑھنے لگے اس طرح نماز پڑھتے پڑھتے رفتہ رفتہ اس کی عادت پڑ جائے گی اور عادت سے عبادت میں رغبت پیدا ہو گی اور اس سے اخلاص پیدا ہو گا اور مقصد تو اللہ کی بندگی ہی ہے۔

حدیث شریف میں تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ دس سال عمر ہو جانے کے بعد بچوں کو الگ بستر میں سلایا جائے والدین کے بستر میں نہ رکھا جائے اس کا اصل مقصد کیا ہے؟ اس کو تو اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں لیکن ظاہری الفاظ پر غور کرنے سے جو اہم حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں وہ یہ ہیں۔

○ اولاد کی موجودگی والدین کے بے حجابانہ تعلقات میں مخل نہ ہو۔

○ غفلت اور سستی میں اولاد کی بیداری کی حالت میں (جبکہ ظاہراً اولاد سوتی ہوئی معلوم ہو) زن و شوہر کے تعلقات کا اظہار اور اس کا افشار نہ ہو کیونکہ اس سے بے حیائی پھیلتی ہے بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دس سال یا اس سے زائد عمر کی اولاد قانونی و شرعی طور پر بالغ تو نہیں ہوتی لیکن ان کے اندر شہوت پیدا ہوتی ہے جماع کا خیال آتا ہے بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں ذہن خراب ہو جاتا ہے، اخلاق بگڑتے ہیں اسی وجہ سے حدیث میں حکم دیا گیا کہ دس سال یا اس سے زائد عمر کی اولاد کو بے حیائی کے مناظر سے دور رکھا جائے تاکہ وہ بگڑے نہیں۔

جو لوگ اپنی اولاد سمیت بھرے مجمع میں فحش فلم یا ٹی وی، وی سی آر میں بے حیائی کے مناظر دیکھتے ہیں وہ لوگ خود تو بے حیا بنتے ہی ہیں اپنی اولاد کو بھی بے حیائی اور بے شرمی کا درس دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے یہ بہت بڑی بے احتیاطی، شرم کی بات اور بڑا گناہ ہے۔

○ تیسری وجہ یہ ہے کہ دس سال کی عمر کے بعد بچے کے اندر شہوتِ جماع پیدا ہوتی ہے وہ شرعی بالغ تو نہیں ہوتے لیکن ایسے بچے مراہق اور مراہقہ یعنی قریب البلوغ پہنچے ہوئے ہوتے ہیں ایسے بچوں کو والدین کے بستر میں سُلانے سے یہ قوی اندیشہ رہتا ہے کہ خدانخواستہ غفلت اور بے احتیاطی میں والدین میں سے کسی کا ہاتھ حالتِ شہوت میں لڑکے یا لڑکی پر پڑ جائے۔ یہ ممکن ہے کہ باپ کا ہاتھ حالتِ شہوت میں لڑکی پر پڑ جائے یا ماں کا ہاتھ حالت شہوت میں لڑکے پر پڑ جائے اور غفلت میں باپ قریب البلوغ لڑکی سے بوس وکنار شروع کر دے یا ماں بیٹے کے ساتھ ایسی حرکت کرنے لگے جس کے نتیجہ میں حرمت مصاہرت آجائے گی ماں باپ آپس میں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گے۔

لیکن بہت سے لوگ ناواقفیت کی بناء پر دس سال یا اس سے زائد عمر بلکہ بالغ بچے بچوں کو اپنے ساتھ سلاتے ہیں ایک ہی بستر میں سوتے اور آرام کرتے ہیں اس کے نتیجہ میں ایسے واقعات بھی علم میں آتے ہیں کہ نیم بیداری یا غفلت میں باپ نے حالت شہوت میں اپنا ہاتھ بالغ یا قریب البلوغ بیٹی پر رکھ دیا بلکہ ایسا بھی ہوا کہ بوس کنار کرنے کے بعد باپ ہوش میں آتا ہے کہ یہ بیوی نہیں ہے بیٹی ہے۔ پھر کفِ افسوس ملتے ہیں نادم ہوتے ہیں بعض حضرات تو مسائل کی تحقیق کرتے ہیں اور بعض حضرات بلا تحقیق پھر بیوی سے ازدواجی زندگی برقرار رکھتے ہیں حالانکہ بیٹی سے شہوت کے ساتھ بوس و کنار کرنے اور ایسے شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے بیوی حرام ہو چکی ہوتی ہے جس کے بعد نکاح ثانی کی گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے۔

○ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

قال اذا جامع الرجل المرأة اوقبلها اولمسها بشهوة اونظر الى فرجها بشهوة حرمت على ابنه و أبيه وحرمت عليه أمها و ابنتها۔
(فتح القدیر ص ۲۲۴ ج ۳، زیلعی ص ۲۲۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی عورت سے جماع کیا یا اس کا بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ اسے مَس کیا یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ کو دیکھا تو وہ عورت جماع کرنے والے کے باپ بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے اور اس شخص پر عورت کی ماں بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔

اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے وسیع تر مفادات کی خاطر ہدایت فرمائی کہ جب اولاد کی عمر دس سال ہو جائے انہیں اپنے بستر سے الگ اور جدا کر کے سُلایا جائے۔

ضرورت علمِ دین اور اس کی فضیلت قرآن کی روشنی میں

علمِ دین کی ضرورت، اہمیت اور فضیلت قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اہلِ علم کو تو اس کی معلومات ہیں لیکن جن کے پاس قرآن و حدیث کا علم نہیں ہے یا بہت کم ہے جو دینی معلومات کے لئے ناکافی ہے ان کے لئے یہاں چند آیات و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھ دینا مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے شاید دل میں کوئی آیت اور اس کا مفہوم اتر جائے یا کوئی حدیث اور اس کا مفہوم ذہن میں بیٹھ جائے اور اس سے زندگی بدل جائے پھر علمِ دین حاصل کرنے کی لگن پیدا ہو جائے، اور اس کے مطابق عمل بھی شروع کر دیں یا کم از کم اولاد کو علمِ دین کے حصول کے لئے وقف کر دیں۔

پہلے آیاتِ قرآن کا مطالعہ فرمائیں اس کے بعد احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کی جائیں گی۔

حق تعالیٰ شانہ، نے قرآن کریم میں بنی آدمؑ پر حسی و ظاہری جو انعامات اور احسانات کئے ہیں سورۂ بقرہ کے شروع میں ان کا ذکر فرمایا ہے۔

پھر آیت نمبر ۳۱، اور ۳۲ میں خاص طور پر حضرت آدم علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ بنانے کے واقعہ کو اجمالاً ذکر فرمایا ہے، پھر خلافت کے لئے علم کا ضروری ہونا ظاہر کیا پھر اسی علم کی وجہ سے فرشتوں پر آپ کی فضیلت ظاہر فرمائی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کے لئے سجدۂ تعظیمی بجالائیں، سوائے ابلیس کے سب فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کا مظاہرہ کیا اور مردود ٹھہرا۔

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ	اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب چیزوں کے نام کا علم دے دیا پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے رکھ کر فرمایا تم مجھے ان چیزوں کے نام بتلاؤ اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ تیری ذات تمام عیوب سے پاک و منزہ ہے ہم کو جتنا علم تو نے عطا فرمایا اس کے علاوہ کسی چیز کا علم نہیں بلاشک تو ہی حقیقت میں علم والا اور حکمت والا ہے۔ پھر آدمؑ سے فرمایا کہ فرشتوں کو ان چیزوں کا نام بتلادو۔ آپ نے جب فرشتوں کو سب

إِنِّيْٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۙ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ ۭ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ، ۳۴تا۳۳)

چیزوں کے نام بتلا دئے تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے تم سے پہلے نہیں کہا تھا کہ مجھ کو آسمان و زمین کے پردے یعنی غیب کی چیزوں کا علم ہے اور جو ظاہر کرتے ہو اس کا اور جو چھپاتے ہو اس کا بھی علم ہے اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ آدمؑ کو سجدہ کرو! تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے اس سے انکار کیا اور تکبر کیا اور پہلے سے وہ کافر تھا۔

تشریح : آیت کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ کو فرشتوں پر علمی فضیلت حاصل تھی ورنہ فرشتے عبادت، تسبیح و تقدیس میں بہت بڑھے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عملی برتری کے مقابلہ میں علمی برتری زیادہ قابل قدر ہے اور خلافتِ ارضی کے لئے علمی برتری ضروری ہے۔ لہٰذا اسی علمی برتری و فضیلت کی بنیاد پر آپ خلافت کے مستحق بنے، فرشتے نہیں بن سکے۔

پھر حضرت آدمؑ کو جب خلافت دے کر دنیا میں بھیجا گیا تو یہ فرمایا گیا کہ میری جانب سے وقتاً فوقتاً ہدایات اور تعلیمات آتی رہیں گی جو ان ہدایات اور تعلیمات کو حاصل کر کے زندگی میں ان کے مطابق چلے گا تو آخرت میں اس کے لئے کوئی خوف و خطرہ نہیں ہے اور وہ بلا تردد اپنے اصلی مقام جنت میں جا کر آرام کی زندگی گذارے گا اور ہمیشہ وہیں رہے گا۔

لیکن جس نے ان ہدایات اور تعلیماتِ الٰہیہ کا انکار کیا اور ان کو نہیں سیکھا اور نہ ہی زندگی میں ان کے مطابق چلا اور نہ عمل کیا تو وہ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ

ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

چنانچہ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (بقرہ۔ ۳۸، ۳۹)	ہم نے ان سے کہا یہاں سے سب اترہ جاؤ پس جب تمہارے پاس میری جانب سے ہدایت آجائے تو جو اس کی اتباع کریں گے ان پر کسی قسم کا خوف ہو گا نہ غم، اور جنہوں نے اس کا انکار کیا میری آیات اور نشانیوں کو جھٹلایا وہ جہنمی یعنی دوزخ کے لوگ ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح:۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ساری چیزوں کے نام بتلا دینے کا ذکر فرمایا ہے اب رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو یہ نام کیسے بتلائے مفسرین کرامؒ سے اس بارے میں کئی طریقے منقول ہیں۔

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو اس وقت آپ کے اندر سارے علوم کی استعداد رکھ دی اور سب چیزوں کا علم بھی دے دیا۔

(۲) پیدائش کے موقع پر آپ کے اندر صرف علم کی استعداد رکھ دی تھی پھر بذریعہ وحی خفی (یعنی القاء والہام) بلا واسطہ ساری چیزوں کا علم آپ کے قلب مبارک میں ڈال دیا اور یہ وحی کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

(۳) یا بذریعہ وحی جلی (یعنی کلام الٰہی جیسا کہ ایک استاد شاگرد کو تعلیم دیتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے) حضرت آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام بتلا دئے چونکہ استعداد کامل تھی ساری چیزوں کی تعلیم فرماتے ہی سب چیزیں یاد ہو گئیں۔

فرشتوں پر حضرت آدم کی علمی فضیلت
پر دو شبہے اور ان کے جوابات

یہاں ذہنوں میں بعض شبہات وارد ہوسکتے ہیں لہٰذا شبہات ذکر کرکے ان کے جوابات دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پہلا شبہ: آیت مذکورہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پہلے علم کی استعداد دی پھر علم عطا فرمایا فرشتوں کو استعداد اور علم نہیں دیا تو اس صورت میں بغیر استعداد اور علم دیئے، ان کا امتحان لینا کیسے صحیح ہوا، وہ ان چیزوں کے نام کس طرح بتاسکتے تھے؟ اگر فرشتوں کو بھی کامل استعداد دی جاتی، علم دیا جاتا پھر امتحان لیا جاتا اور فرشتے اس کا جواب نہ دے سکتے تو امتحان لینا صحیح ہوتا اور حضرت آدمؑ کی فضیلت خوب ظاہر ہوجاتی۔

جواب شبہ: فرشتے اللہ تعالیٰ کے الگ بندے ہیں اور اس کی مستقل مخلوق ہیں، نور سے پیدا کئے گئے ہیں نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، نہ شادی کرتے ہیں، نہ ان سے اولاد ہوتی ہے ان کو پیدا کرنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور اس کی تقدیس اور خالص عبادت و اطاعت کرنا ہے اور ان کے اندر قوت ملکیت رکھ دی ہے۔ لیکن قوّت غضبیہ اور قوت شہویہ نہیں رکھی۔

جبکہ حضرت آدمؑ کو عناصر اربعہ (پانی، مٹی، ہوا، آگ) سے پیدا فرمایا پھر اس کے اندر قوت غضبیہ اور قوت شہویہ اور قوتِ ملکیہ سب قوتیں رکھ دی ہیں تاکہ ہر قسم کی استعداد حاصل ہوجائے، خیر کی بھی اور شر کی بھی، اب اگر فرشتوں کے اندر یہ ساری چیزیں رکھ دی جاتیں تو وہ فرشتے نہ رہتے وہ بھی حیوان ناطق انسان بن جاتے، پھر اللہ تعالیٰ کو جدید اور نئے انداز سے انسان بنانے کی ضرورت نہ پڑتی

اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے ان کی پیدائش میں قوت ملکیت رکھی ہے تو وہ عبادت اور اطاعتِ الٰہی تو بجالا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرسکتے، نافرمانی اور معصیت کی استعداد ہی ان کے اندر نہیں ہے اس لئے وہ معصوم ہوتے ہیں ماموراتِ پر مجبور ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا منشأ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے یہ ہے کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کی جائے جس میں ہر قسم کی استعداد رکھ دی جائے تاکہ وہ خیر و شر میں سے جس کو اختیار کرنا چاہے اختیار کرسکے، ایمان و کفر میں سے جس کو اختیار کرنا چاہے اختیار کرلے اور اس کے اندر قوت ملکیت کے ساتھ ساتھ قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہویہ بھی ہو تاکہ قوتِ غضبیہ سے جہاں غضب اور غصہ کا اظہار کرنا چاہے وہاں اس کا اظہار کرسکے اور قوتِ شہویہ کے تحت جہاں شہوت کو ظاہر کرنا چاہے وہاں اس کو ظاہر کرسکے۔ اس مخلوق کے افراد اگر اپنی قوتوں کو اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق صرف کرتے ہیں تو جنّت کے مستحق بنیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرتے ہیں تو دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنائیں، اگر قوت ملکیہ کے تحت عدل قائم کرنا چاہیں تو عدل قائم کریں یا قوت غضبیہ اور شہویہ کے تحت ظلم اور زیادتی کرنا چاہیں تو زیادتی کرسکیں یا اپنے اختیار سے خواہش نفس کے خلاف کرکے معاصی سے بچ کر ثواب حاصل کریں یا پھر خواہش کی اتباع کرکے معاصی کا ارتکاب کرکے عذاب کے مستحق بنیں۔ بغرض حضرت آدمؑ کے اندر استعداد علمی و عملی رکھ کر اللہ تعالیٰ نے ایک با اختیار مخلوق بنانا چاہا کیونکہ بے اختیار اور مجبور مخلوق کی طاعت و عبادت اور با اختیار مخلوق کی عبادت میں بڑا فرق ہوتا ہے لہٰذا یہ اعتراض کہ فرشتوں میں ہر قسم کی استعداد علمی و عملی کیوں نہ رکھ دی گئی غلط ہوگا پھر جب استعداد ہی نہیں تو انہیں ہر چیز کا علم دینا نہ دینا برابر ہوتا کچھ فائدہ نہ ہوتا۔

دوسرا شبہ: پھر یہ شبہ ہوتا ہے اگر استعداد تھی ہی نہیں تو ان کے سامنے تمام اشیاء کو پیش فرما کر پوچھنا، پھر حضرت آدمؑ کو حکم دینا کہ آپ ان کو ان چیزوں کے نام بتلا دیجئے اور حضرت آدمؑ نے جب سب چیزوں کے نام بتلا دیئے جس سے فرشتے سمجھ گئے کہ آدمؑ بہت بڑا عالم اور لائق مخلوق ہے اور خلافت کا بھی مستحق ہے تو اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے اندر استعداد تھی تبھی حضرت آدمؑ کے بتانے پر وہ سمجھ گئے کہ واقعی آدمؑ بڑا عالم ہے اور اس کو بڑی فضیلت حاصل ہے اسی بنیاد پر جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے لئے سجدۂ تعظیمی بجالاؤ! تو سب فرشتے سجدۂ تعظیمی بجالائے اگر استعداد بالکل نہ تھی تو حضرت آدمؑ نے جب نام بتلا دیئے تو فرشتے کیا سمجھے ہوں گے اور اس سے انہوں نے کیسے سمجھ لیا کہ حضرت آدمؑ واقعی بڑا عالم ہے۔

جواب شبہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے اندر اگر شروع سے علم رکھ دیا تھا جیسا کہ یہ بھی ایک قول ہے پھر تو ان اشیاء کے نام فرشتوں کے سامنے پیش فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ فرشتوں کو بتا دیا جائے کہ آدمؑ کے اندر استعداد علمی کے ساتھ علم بھی ہے اور تمہارے پاس استعداد علمی نہ ہونے کی وجہ سے علم نہیں ہے لہٰذا آدمؑ خلافت کا مستحق ہے وہ خلافت کی ذمہ داری اٹھا سکتا ہے اور تمہارے اندر استعداد علمی نہ ہونے کی بنا پر اتنا علم نہیں جس سے تم خلافت کی ذمہ داری اٹھا سکو اگر تمہیں اس میں کچھ خلش ہے یا تردد ہے تو ذرا ان خاص اشیاء کے نام تو بتلا دو لیکن فرشتے نہ بتلا سکے اور عاجزی ظاہر کر دی ان کے سامنے حضرت آدمؑ سے فرمایا اے آدم! ان چیزوں کا نام تم ان کو بتلا دو۔ حضرت آدمؑ نے جب ان چیزوں کے نام بتلا دیئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق فرما دی اور فرشتے استعداد نہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کے نام کے اندازہ نہ اس وقت بتا سکے نہ بعد میں لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت آدمؑ کے تمام چیزوں کے نام بتلا دینے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم کی تصدیق و توثیق کرنے سے فرشتوں کو اس بات

کا یقین اور علم ہو گیا کہ حضرت آدمؑ بہت بڑے عالم ہیں اور خلافت کے یہی مستحق ہیں پھر جب ان کو سجدہ کے لئے کہا گیا تو بلا تردد سجدہ میں چلے گئے سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔

دوسرا جواب: اور اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بذریعۂ کلام تمام چیزوں کی تعلیم دی ہے جیسا کہ یہ بھی ایک قول ہے تو یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ فرشتوں سے الگ ہو کر تعلیم دی ہے بلکہ تعلیم تو عمومی تھی لیکن چونکہ استفادہ کرنے والے اور صاحبِ استعداد حضرت آدمؑ ہی تھے اسی لئے قرآن میں حضرت آدمؑ کو تعلیم دینے کا ذکر ہے ورنہ مجلسِ تعلیم میں فرشتے بھی موجود تھے لیکن چونکہ وہ استفادہ کرنے والوں اور صاحب استعداد دونوں میں سے نہ تھے اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا گیا اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے اگر کسی تعلیمی ادارہ میں ایک بہت بڑا عالم یا بہت بڑی شخصیت کو اونچے درجے کے طلبار کو خطاب کرنے کیلئے دعوت دی جاتی ہے یا کسی خاص درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں سے خطاب کرنے کیلئے دعوت دی جاتی ہے تو اس میں اعلان اور اشتہار میں کہا جاتا ہے کہ فلاں ماہر فن، عالم کبیر طلبائ سے خطاب کریں گے یا فلاں سیاست داں وکلار سے خطاب کریں گے جبکہ وہاں پر طلبائ کے ساتھ عوام بھی ہوتے ہیں وکلار کے ساتھ غیر وکلار بھی ہوتے ہیں لیکن چونکہ اصل مخاطب اور استفادہ کرنے والے اور صاحبِ استعداد وکلار اور اونچے درجے کے طلبار ہوتے ہیں اس لئے ان کا ہی ذکر ہوتا ہے وہی طلبار مقصدِ خطاب ہوتے ہیں اور بعد میں اگر پوچھا جائے تو صاحبِ استعداد طلبار اور وکلار ہی خطاب کا مضمون اور بیان کردہ نکتوں کی وضاحت کر سکیں گے۔ مگر جو عوام اور نچلے درجے کے طلبار تقریر کے دوران موجود ہوتے ہیں ان سے اگر پوچھا جائے فلاں ماہرِ فن یا عالمِ کبیر نے کیا فرمایا تھا تو وہ کچھ نہ بتا سکیں گے لیکن پھر بھی عالم کے متعلق وہ اتنا تو بتا دیں گے کہ یہ بہت بڑا عالم تھا ماہرِ فن تھا اور سیاست داں کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیں گے کہ یہ بڑے سیاست داں تھے تو ان کا ایسا بتلانا علمی استعداد کی وجہ سے نہیں ہوگا

بلکہ قرائن و علامات سے بتائیں گے اندازِ بیان سے بتائیں گے وہاں پر موجود طلبا رو وکلاء کے انداز استفادہ سے بتائیں گے بعینہٖ اسی طرح حضرت آدمؑ نے جب احکم الحاکمین کے سامنے عالم الغیب والسمٰوات کے سامنے تمام چیزوں کے نام بتلا دیئے اور ربّ العالمین نے اس کی تصدیق فرمادی تو فرشتوں کو یقین ہوگیا کہ واقعی حضرت آدمؑ بہت بڑی شخصیت ہیں وہ واقعی خلافت کے مستحق ہیں تو اس سے حضرت آدمؑ کی فضیلتِ علمی ثابت ہوگئی اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

نیز اس سے مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ صفتِ علم کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذکر اور تسبیح و تحمید سے بھی زیادہ ہے کیونکہ صفتِ علم، اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے ہے اور تسبیح و تحمید فرشتوں کی اور مخلوق کی صفت ہے۔ ذکر کرنے والے کو ذاکر اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے کو حامد کہا جاتا ہے تو حمد حامد کی صفت ہے۔ ذکر ذاکر کی صفت ہے لیکن عالم کا علم اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتیہ ہے ظاہر بات ہے کہ صفاتِ ذاتیہ کی فضیلت کے مقابلہ میں دوسری صفات زیادہ ہے۔

چنانچہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ	اے ہمارے رب! ہماری اولاد میں سے
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا	ایک ایسا رسول بنا کر مبعوث فرما جو تیری
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ	آیات ان کو پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ان کو
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	تیری کتاب کی تعلیم دیں علم اور حکمت کی باتیں
وَيُزَكِّيهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ	سکھائیں اور ان کی تطہیر و تزکیہ کریں تو ہی
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔	درحقیقت زبردست غالب اور حکمت
(بقرہ - ۱۲۹)	والا ہے۔

تشریح: آیتِ مذکورہ میں دراصل حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام

کی دعا کا ذکر فرمایا ہے جو دونوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر مانگی تھی اور اس دُعا میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کا سوال فرمایا تھا۔

(۱) اے اللہ! ہمیں مسلمان یعنی اپنے فرمانبردار بندے بنا۔

(۲) ہماری ذریت اور اولاد میں سے ایک جماعت اپنی فرمانبردار پیدا فرما یعنی ان کے اندر اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کی صفت ہو اور ان کا نام بھی امتِ مسلمہ ہو اور ان کے دین کا نام دین اسلام ہو)۔

(۳) تیسری بات یہ تھی کہ ہماری اولاد میں سے ایک ایسا عظیم الشان رسول بنا کر مبعوث فرما جس کے پاس تیری کتاب ہو اور وہ تیری کتاب کو پڑھ پڑھ کر امت کو سنائیں اور تیری کتاب کی تعلیم دیں اور حکمت سکھائیں پھر امت کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کر کے ان کا تزکیہ کریں ان کو شرک کفر بلکہ ہر قسم کے معاصی اور نافرمانیوں سے پاک کریں"

یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کے دعائیہ نکتے تھے۔
اسی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:
" میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہوں "

آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد بیان کئے گئے ہیں ان میں پہلا مقصد امتِ مسلمہ کو آیات پڑھ کر سنانا ہے یعنی الفاظ قرآن کی تعلیم دینا ہے۔ دوسرا مقصد تعلیم کتاب بتایا گیا یعنی کتاب الٰہی کے معانی و مطالب کی تعلیم دینا کتاب الٰہی میں بیان کردہ احکام اور مسائل کی تعلیم دینا اور جہاں تفسیر اور تشریح کرنی پڑے تو اپنے قول و عمل سے اس کی تفسیر اور تشریح کر دینا۔ اس کے ساتھ حکمت یعنی کتاب کے اسرار مخفیہ و رموزِ لطیفہ کا سکھانا اور ان تمام تعلیمات کا مقصود امتِ مسلمہ کا تزکیہ ہے یعنی ان کے بگڑے ہوئے عقائد و اعمال اور اخلاق کو درست کرنا اور ان کی اصلاح کر کے شرک

کفر اور تمام معاصی اور بُرے اخلاق سے انہیں پاک کرنا۔

جس سے معلوم ہوا کہ کتابِ الٰہی کی تعلیم، مقاصدِ نبوت میں سے ہے اور جو چیز مقاصدِ نبوت میں سے ہوگی اس کا جاننا اور حاصل کرنا ہر امتی پر ضروری اور لازم ہے لہٰذا کتابِ الٰہی کی تعلیم کا ضروری ہونا معلوم ہوا مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ بگڑے ہوئے عقائد و نظریے اور اعمال و اخلاق کی درستگی اور اصلاح کے لئے دینی تعلیم انتہائی ضروری ہے (اسی واسطے قرأتِ قرآن کے بعد تعلیم کتاب کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا اور تزکیہ کا بعد میں اس سے بھی تعلیم کتاب اور تعلیمات شرعیہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

پھر جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے ٹھیک اسی طرح دعا کو قبول فرمالیا چنانچہ اسی رسول کے بھیجنے کا ذکر قرآن میں ایک دوسری جگہ آیا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞ (البقرہ۔۱۵۱)	جس طرح تم لوگوں میں، ہم نے رسول بھیجا جو تم ہی میں سے ہے اور ہماری آیات کو پڑھ پڑھ کر تمہیں سناتے ہیں اور تمہارا تزکیہ اور صفائی کرتے ہیں اور تمہیں کتاب (یعنی قرآن) کی تعلیم دیتے ہیں اور کتاب کی حکمت کی باتیں کرتے ہیں۔ تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کی تمہیں خبر ہی نہ تھی۔

تشریح:۔ آیتِ مذکورہ اور اس سے قبل والی آیت نمبر ۱۵۰ کے اندر جہاں پر یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے "قبلہ" بیت المقدس کے مقابلہ میں ہمیشہ کے لئے بیت اللہ کو قرار دیا یہ بہت بڑا انعام ہے وہاں پر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دوسرا انعام اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک رسول بنا کر مبعوث فرمایا جو کہ تمہیں قرآن پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں یعنی الفاظِ قرآن کی تعلیم دیتے ہیں اور تمہیں قرآن کے

معانی و مطالب کی تعلیم دیتے ہیں یعنی قرآن میں بیان کردہ احکام اور اس کی تفسیر و تشریح بیان کرتے ہیں اور اس کے اوپر مزید حقائق و اسرار اور تہہ کی باتیں بیان کرتے ہیں پھر تمہارے عقائد و اعمال اور اخلاق کو درست فرما کر تمہاری اصلاح کرتے ہیں اور تمہیں ہر قسم کے معاصی اور گناہوں کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے پاک کرتے ہیں یہ کتنا بڑا انعام ہے جو کہ بہت سارے انعامات پر مشتمل ہے۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنے احسانات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران - ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے کہ اس نے انہی میں سے ان کی طرف ایک عظیم الشان رسول بنا کر بھیجا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو انہیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و فہم کی باتیں سکھاتا ہے جبکہ یہ لوگ اس سے قبل صریح گمراہی میں تھے۔

تشریح: آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ اپنے احسانات ذکر کرکے اپنے بندوں کو ہدایت کی طرف بلانا اور اس کی ترغیب دینا چاہتے ہیں اور جن احسانات کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہیں۔

① اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرکے اس کی دنیوی زندگی اور اس کی بقاء کے لئے آسمان اور زمین اور اس کے درمیان دوسری نعمتوں کا انتظام فرمایا پھر انسان کی ہدایت اور دینی و دنیوی زندگی کو خدا کے منشاء کے مطابق گذارنے کا طریقہ سکھانے

کے لئے ایک رسول بھی بھیجا جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انہیں کے ہم جنس یعنی انسانوں میں سے ہے جن یا فرشتہ نہیں بھیجا تاکہ یہ اعتراض نہ ہو سکے کہ جن یا فرشتے کو کیوں رسول بنا کر بھیجا جو کہ غیر جنس میں سے ہے اور ان کی پیدائش وخلقت اور عادت واطوار وافکار واعمال ہم سے بالکل مختلف ہیں وہ ہمارے حالات اور ہماری زندگی کو کیا سمجھیں وہ ہماری رہنمائی کس طرح کریں جبکہ وہ نظر بھی نہیں آتے۔ غرض انسانوں میں سے رسول بنا کر بھیجنا یہ مستقل نعمت ہے۔

پھر انسان بھی وہ عام انسانوں کی طرح نہیں اس کی خلقت کا انداز، پیدائشی زمانہ، بچپن کی زندگی، رسول بنانے سے پہلے کی زندگی ایسی خصوصیات کی حامل ہے جس کی مثال تاریخ نے نہ اب تک پیش کی ہے نہ آئندہ پیش کر سکے گی۔

پھر شرافتِ نسب اور خاندان کے اعتبار سے پوری دنیا میں معروف اور عرب دنیا میں اس کی شہرت بے مثال ہے۔

(۲) پھر رسول کے ساتھ دستورِ زندگی ایک کتاب یعنی قرآن مجید نازل فرمایا دستورِ زندگی کی تدوین وتقنین کسی قانون ساز ادارہ یا اسمبلی کے حوالہ نہیں فرمائی نہ انہیں اس میں کسی تبدیلی وترمیم کا اختیار دیا ہے۔

(۳) تیسرا انعام یہ فرمایا کہ کتابِ الٰہی کی تفسیر وتشریح قولاً وعملاً اس رسول کے ذمہ لگادی اور اس کی تفسیر وتشریح کو حرفِ آخر قرار دیا اور اس کے انکار کو قرآن کا انکار، اس سے انحراف کو قرآن سے انحراف ٹھہرادیا اور آپ کے بعد اس کی مزید تشریح وتفسیر کا حق اور امت تک پہنچانے اور بیان کرنے کی ذمہ داری ورثاءِ انبیاء یعنی علماءِ اسلام پر ڈالی گئی تاکہ وہ رسول کی بیان کردہ تشریح وتفسیر قیامت تک امت کو پہنچاتے رہیں۔

(۴) چوتھا انعام یہ فرمایا کہ اس کتابِ الٰہی کے الفاظ اور حروف کی صحت کے

ساتھ پڑھنے اور امت کو پڑھ پڑھ کر سنانے کی ذمہ داری بھی ابتداً اس رسول پر ڈالی گئی پھر رسول کے بعد آپ کے علمی وارث علماء اور قراء پر ڈالی گئی جس کا سلسلہ اب تک امت میں جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

۵ پھر اس کتابِ الٰہی کے قانونی دفعات کا عملی نمونہ آپ کو ٹھہرایا گویا آپ کی زندگی پورے کا پورے قرآن ہے اور آپؐ کے اقوال و افعال اور سیرت قرآن میں موجود قانونی دفعات کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کسی صحابی نے آپؐ کے اخلاق اور زندگی کے متعلق آپؓ سے سوال کیا اس پر حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "خُلُقُہُ الْقُرْآن" آپ کے اخلاق اور زندگی گویا قرآن ہے۔ یعنی آپ کے اخلاق جاننا ہے تو قرآن کو دیکھو۔ لہٰذا قرآن و حدیث کے مطابق زندگی گذارنے کے لئے قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔

قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے کے بعد جس کے اندر قرآن کے قانونی دفعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفسیر کے ساتھ آجائیں گے تو اس کے نظریئے، عقائد، اعمال اخلاق سب درست ہو جائیں گے اور تمام باطل عقائد نظریئے، بداعمال، برے اخلاق سب نکل جائیں گے تو یہ انسان صاف ستھرا فرشتہ صفت شخصیت کا مالک بن جائے گا جس کو قرآن کریم میں "یُزَکِّیْھِمْ" سے تعبیر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ رسول امت کی تطہیر اور تزکیہ بھی کرتے ہیں۔

نیز یہ کہ آیت کے آخری جملہ کہ " اس سے قبل یہ لوگ گمراہی میں تھے" اس بات کے لئے واضح ثبوت ہے کہ جس طرح کتابِ الٰہی آنے سے قبل لوگ گمراہی میں تھے کتاب الٰہی کے آجانے کے بعد اگر اس کی تعلیم حاصل نہیں کی گئی اور اس پر عمل نہیں کیا گیا تو بھی انسان گمراہ ہوگا اور گمراہی کے راستوں پر آگے بڑھتا جائے گا۔ کیونکہ ہدایت اس

کتابِ الٰہی کی تعلیمات حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے پر موقوف ہے تزکیہ اور پاکیزہ زندگی اسی سے حاصل ہوگی ورنہ گمراہی اور ناپاکی میں زندگی گذارے گی یا آخر جہنم میں جو کہ گمراہ اور ناپاک لوگوں کا ٹھکانہ ہے جانا پڑے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اور مسلمانوں کو جہنم سے پناہ دیں۔ آمین

مذکورہ بالا آیت کے مضمون کو سورۃ الجمعہ میں بھی ذکر کیا گیا ہے ان تمام آیات پر غور کرنے سے بھی وہی مفہوم واضح ہو جائے گا جس کا ذکر اُوپر ہوا ہے۔

حق جلّ شانہ ایک جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے سورۂ نساء میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر بڑا فضل فرمایا ہے کہ آپؐ کو اپنی صفتِ علم اور صفتِ حکمت سے نوازا ہے لہٰذا اگر کوئی شیطان آپ کو بہکانا چاہے تو نہیں بہکا سکے گا بلکہ جو بہکانا چاہیں گے وہ خود بھٹکتے رہیں گے اور بہکانے والے آپؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اب اس بات کو آپ آیت قرآنی اور اس کے ترجمے سے سمجھئے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (نساء — ۱۱۳)	اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب نازل کی اور حکمت بھی اور آپ کو ایسی باتوں کی تعلیم دی جو آپ کو پہلے معلوم نہیں تھیں اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

تشریح : آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر جس فضلِ عظیم کا ذکر فرمایا وہ تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت ہے معلوم ہوا کہ تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت حاصل کرنے والا فضل والا بنے گا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کتاب کی تعلیم اور حکمت کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے حاصل کی، تب اصحابِ علم اور اصحاب فضل بنے۔ اس کے بعد تابعین، تبع تابعین سلسلہ وار جتنے لوگ قیامت تک کتابِ الٰہی کی تعلیم حاصل کرتے رہیں گے وہ اصحابِ علم اور اصحابِ فضل بنتے جائیں گے اور جو لوگ کتابِ الٰہی کی تعلیمات سے روگردانی کریں گے وہ اس علم وفضل سے محروم ہوں گے۔

آیتِ مذکورہ کے ابتداء میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کے بعد آپ کو کوئی گمراہ یا بہکا نہیں سکے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت حاصل کرے گا وہ گمراہ نہیں ہوگا اس کو کوئی بہکانا چاہے گا تو نہیں بہکا سکے گا۔

جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کتابِ الٰہی کی تعلیم آجانے کی صورت میں آدمی ہدایت پر ہوگا بہکے گا نہیں لیکن کتابِ الٰہی کی تعلیم نہ ہونے کی صورت میں گمراہ ہوگا، بہک جائے گا جس سے کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں سورۂ انبیاء میں مشرکین کا ایک اعتراض کہ "اللہ تعالیٰ کو اگر رسول بھیجنا تھا تو ہماری طرح کھانے پینے والے انسان کو کیوں بھیجا فرشتوں کو کیوں نہیں بھیجا" ذکر کرکے جواب میں حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کا اعتراض معاندانہ ہے بلکہ حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ اس سے قبل اولادِ آدم میں جتنے رسولوں کو بھیجا گیا ہم نے سب انسانوں میں اور مردوں میں سے بھیجے ہیں جن، فرشتوں، بچوں یا عورتوں میں سے نہیں بھیجا اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں اور دنیا کی تاریخ معلوم نہیں تو تم انسانوں میں سے جو اہلِ علم ہیں ان سے معلوم کر لو تمہارا اعتراض ختم ہو جائے گا۔

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت مختصر جملے میں یوں بیان فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورہ انبیاء ـ ۷)

ہم نے پیغام رسانی کے لئے رسول نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں کو جن کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے (تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ) اگر تم نہیں جانتے تو جو اہلِ علم (جاننے والے) ہیں ان سے معلوم کر لو۔

یعنی مشرکین کا یہ اعتراض کہ ہمارے جیسے انسان کو کیوں رسول بنا کر بھیجا گیا فرشتوں یا دوسری جنس میں سے کیوں نہیں بھیجا گیا غلط اور بے بنیاد ہے اس واسطے کہ جب سے دنیا بنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اور پیغمبر بھیجنا شروع فرمایا اس وقت سے ہمیشہ انسانوں میں سے مردوں کو ہی رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجتے رہے ہیں۔ انسانی ہدایت کے لئے فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا اور نہ ہی کسی جن کو یا انسانوں میں سے عورت کو پیغمبر بنا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تنبیہاً فرمایا تم تو جاہل اور علم سے کورے ہو جو اہلِ علم ہیں جن کو دنیا کی تاریخ اور شریعتوں کا علم ہے ان سے ذرا معلوم کرو پھر حقیقت واضح ہو جائے گی تمہارا اعتراض اور اشکال رفع ہو جائے گا۔

اسی مضمون کی ایک آیت سورۂ نحل میں بھی آئی ہے اور مفسرین کرام کے نزدیک یہاں پر آیت میں اہلِ ذکر سے اہل علم مراد ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اہل ذکر یعنی اہل علم کی فضیلت بے علم لوگوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ہے کیونکہ نہ جاننے والوں کو اہلِ علم سے سوال کرنے اور معلوم کرنے کا حکم دیا گیا ہے مسئول کا درجہ سائل کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔

سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ

خدائے تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں واقعی اللہ

عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ (سورہ فاطر - ۲۸) تعالیٰ زبردست بخشنے والا ہے۔

تشریح: آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے جس انداز سے مضمون کو بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری انسانیت میں اگر اللہ تعالیٰ کی خشیت وخوف اور پرہیزگاری اور تقویٰ ہے تو صرف اور صرف علماء کے اندر ہے جو اہلِ علم نہیں ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت بالکل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان اہلِ علم کے لئے ایک قسم کی بشارت اور خوشخبری ہے بلکہ سند اور نمونہ ہے اور اہلِ علم کے اتنی بڑی سند اور ڈگری کے مستحق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کا خوف وخشیت دل میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت ہونا چاہیئے اور اس سے ڈرنے کے فوائد اور نہ ڈرنے کے نقصانات کا علم ہونا چاہیئے اور اس کے احکامات اور ممنوعات یعنی اللہ تعالیٰ نے جن امور کے کرنے کے احکامات جاری فرمائے اور جن کو کرنے سے منع فرمایا، ان کا علم ہونا چاہیئے اب جن لوگوں کو ان سب باتوں کا علم ہوگا وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے اس کے احکامات پر عمل کریں گے اور اس کے ممنوعات سے بچیں گے لیکن جن کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت نہیں ہو گی اور اس کے احکامات اور ممنوعات کی خبر وعلم نہیں ہوگا اور وہ ان باتوں سے غافل اور ناواقف ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں کیسے، اور کیوں ڈرینگے اور چونکہ اہلِ علم کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کے احکامات اور ہدایات سے وہ واقف ہوتے ہیں تو گویا وہ منجانب اللہ ہدایت اور روشنی رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ اگر زندگی گذاریں گے تو ہدایت اور روشنی کے تحت زندگی گذاریں گے ڈرتے ڈرتے زندگی گذاریں گے اور شیطان کے بہکانے سے بچ جائیں گے اور بچنے کی کوشش کریں گے، اس کے دھوکہ میں نہیں آئینگے اور دھوکہ سے بچنے کی سعی کریں گے لیکن جن کے پاس علم نہیں ہوگا ہدایت نہیں ہو گی وہ اپنی خواہش کے مطابق اور من مانی زندگی گذاریں گے۔ شیطان اور گمراہ کرنے والے کی گمراہی میں آ

جائیں گے خدا و رسول کی نافرمانی کریں گے مگر یہ بھی پتہ نہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی میں زندگی گذار رہے ہیں ۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت کا علم اور معرفت بہت بڑی نعمت اور لازوال دولت ہے علم والا بمنزلۂ بصیر یعنی بینا آدمی کے ہے اور بے علم آدمی بمنزلۂ اعمیٰ یعنی نابینا کے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے تاکہ آدمی آنکھوں والا بنے اندھا نہ رہے ۔

چند شبہات

آیت کے مضمون اور اس کی تشریح سے ذہن میں دو شبہے آسکتے ہیں ۔ پہلے یہ شبہات اور ان کے جواب ملاحظہ فرمالیجئے :

پہلا شبہ : آیت مذکورہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے صرف اہلِ علم ڈرتے ہیں جو بے علم ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بعض اہل کتاب علمار کی مذمت اور ان کے قبائح کو بیان فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین لوگ وہی ہیں جو علمار میں بہتر ہیں اور بدترین لوگ وہ ہیں جو بُرے علمار ہیں یعنی دو طرح کے علمار ہوتے ہیں ۔

(۱) علمائے حقانی اور علمائے ربانی ۔ یہ تو خیار الناس ہوتے ہیں ۔

(۲) دوسرے علمائے اہلِ اہواء اور علمائے سوء ۔ یہ شرار الناس ہوتے ہیں ۔

نیز تجربے اور مشاہدے سے بھی یہ بات واضح ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی کچھ علمار ایسے ہیں کہ وہ خدا ترس ہیں راہ راست پر ہیں اور لوگوں کو راہِ راست کی طرف بلاتے ہیں دینی و شریعت کے علم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں ایسے علمار بہت تھوڑے ہیں ۔

کچھ علماء ایسے ہیں جو خدا اور احکام خدا سے غافل نظر آتے ہیں. علم ہوتے ہوئے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے اور بے علم لوگوں کی طرح وہ بھی گمراہی کی طرف جا رہے ہیں اور گمراہیاں پھیلا رہے ہیں تو اللہ تعالٰے کا کلام کیسے صحیح ہوا کہ اس سے صرف علماء ڈرتے ہیں ۔

دوسرا شبہ : بہت سے بے علم عوام اور سادہ مسلمانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کا خوف وخشیت دل میں رکھتے ہیں اور جتنا ہو سکے دین پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں عمل کرتے ہیں اور جس بات کا علم نہیں ہوتا علمار سے پوچھ کر معلوم کرکے اس پر عمل کرتے ہیں حالانکہ یہ باقاعدہ دین کا علم نہیں رکھتے یہ لوگ علمار نہیں ہوتے ۔

پہلے شبہ کا جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اپنی جگہ بالکل درست اور صحیح ہے کیونکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے اگر ڈرتے ہیں وہ علمار ہی ڈرتے ہیں کیونکہ علم ومعرفت کے بغیر ڈرنا ممکن ہی نہیں جیسا کہ آیت کی تشریح میں گذر چکا ہے. باقی رہا یہ کہ کچھ علمار ایسے بھی ہیں جو کہ خدا سے ڈرتے ہوتے نظر نہیں آتے اور علم کے مطابق عمل نہیں کرتے تو آیت پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالٰے نے یہ تو نہیں فرمایا کہ جتنے لوگ اہلِ علم ہیں وہ سب کے سب ڈرتے ہیں اور سب علم کے مطابق عمل کرتے ہیں بلکہ حق تعالٰے نے یہ فرمایا کہ اگر درحقیقت خدا سے ڈرتے ہیں تو علماء ہی ڈرتے خواہ وہ بعض علماء ہوں یا اکثر یا سب علماء ہوں یہ سب صورتیں آیت میں داخل ہیں، اور جو علماء اللہ سے نہیں ڈرتے اور علم کے خلاف عمل کرتے ہیں ان کا ذکر اس آیت میں ہے ہی نہیں ہاں ان کا ذکر قرآن کریم کی دوسری آیات میں ہے ۔

دوسرے شبہ کا جواب

بعض غیر عالم عوام کا خدا سے ڈرنا اور ان کے اندر خوف وخشیت کا ہونا یہ ان کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کے پاس بھی کچھ نہ کچھ دین کا علم ضرور ہوتا ہے۔ شریعت کی موٹی موٹی چیزوں کا علم ہوتا ہے جن جن چیزوں کا علم ہوتا ہے ان ان چیزوں پر عمل کرتے ہیں جتنا جتنا علم ہوتا ہے اتنا اتنا خدا سے ڈرتے ہیں تو یہ غیر علماء بھی ایک گونہ اہلِ علم میں داخل ہوئے اگرچہ ان کا علمی معیار کم ہے اور ان کا علم خواہ تعلیم حاصل کرنے کی بناء پر حاصل ہوا ہو یا علماء سے سن کر حاصل ہوا ہو۔ یا پوچھ پوچھ کر، انہوں نے کسی قدر علم حاصل کیا ہو یا علماء کی کتابوں کے ذریعہ تعلیم حاصل کی ہو غرض یہ کہ بعض رسمی علماء نہیں ہوتے لیکن ان کے پاس مختلف ذرائع علم سے علم آجاتا ہے اور اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض رسمی علماء ہوتے ہیں ان کو خاص علم نہیں ہوتا یا گناہوں کی وجہ سے بھلا دیا جاتا ہے پھر وہ بے علم لوگوں کی طرح ہو جاتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو دین کا کچھ بھی علم نہیں ہوتا جیسا کہ غیر مسلم ممالک کے رہنے والے بعض مسلمانوں کا حال ہوتا ہے تو وہ کیسے خدا سے ڈریں گے جبکہ ان کے پاس ڈرنے کا علم ہی نہیں ہے۔ بہر حال اللہ سے ڈرنے کے لئے علومِ الٰہی کا حاصل ہونا ضروری ہے خواہ ذرائع کیسے بھی ہوں اس کے بغیر اللہ سے ڈرنا جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے ممکن نہیں ہے نیز یہ بھی واضح رہے بعض غیر عالم دیندار اور خدا ترس نظر آتے ہیں ان کے ڈرنے اور کسی عالم کے ڈرنے میں بڑا فرق ہے کیونکہ عوام اور بے علم دیندار جن کے پاس حقیقی طور پر قرآن وحدیث کا علم نہیں ہوتا اور احکام شرع کا ضروری علم نہیں ہوتا ایسے لوگوں کا ڈرنا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا اس کی وجہ یہ ہے چونکہ ان کے پاس قرآن وحدیث اور احکام شرع کا صحیح معنی میں علم نہیں ہوتا اس لئے کامل طور پر نہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ صحیح اور پورے طور پر

کچھ علماء ایسے ہیں جو خدا اور احکام خدا سے غافل نظر آتے ہیں. علم ہوتے ہوئے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے اور بے علم لوگوں کی طرح وہ بھی گمراہی کی طرف جا رہے ہیں اور گمراہیاں پھیلا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا کلام کیسے صحیح ہوا کہ اس سے صرف علماء ڈرتے ہیں۔

دوسرا شبہ : بہت سے بے علم عوام اور سادہ مسلمانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کا خوف وخشیت دل میں رکھتے ہیں اور جتنا ہو سکے دین پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں عمل کرتے ہیں اور جس بات کا علم نہیں ہوتا علماء سے پوچھ کر معلوم کرکے اس پر عمل کرتے ہیں حالانکہ یہ باقاعدہ دین کا علم نہیں رکھتے یہ لوگ علماء نہیں ہوتے۔

پہلے شبہ کا جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اپنی جگہ بالکل درست اور صحیح ہے کیونکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے اگر ڈرتے ہیں وہ علماء ہی ڈرتے ہیں کیونکہ علم ومعرفت کے بغیر ڈرنا ممکن ہی نہیں جیسا کہ آیت کی تشریح میں گذر چکا ہے۔ باقی رہا یہ کہ کچھ علماء ایسے بھی ہیں جو کہ خدا سے ڈرتے ہوتے نظر نہیں آتے اور علم کے مطابق عمل نہیں کرتے تو آیت پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ جتنے لوگ اہلِ علم ہیں وہ سب کے سب ڈرتے ہیں اور سب علم کے مطابق عمل کرتے ہیں بلکہ حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اگر درحقیقت خدا سے ڈرتے ہیں تو علماء ہی ڈرتے خواہ وہ بعض علماء ہوں یا اکثر یا سب علماء ہوں یہ سب صورتیں آیت میں داخل ہیں، اور جو علماء اللہ سے نہیں ڈرتے اور علم کے خلاف عمل کرتے ہیں ان کا ذکر اس آیت میں ہے ہی نہیں ہاں ان کا ذکر قرآن کریم کی دوسری آیات میں ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب

بعض غیر عالم عوام کا خدا سے ڈرنا اور ان کے اندر خوف وخشیت کا ہونا یہ ان کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کے پاس بھی کچھ نہ کچھ دین کا علم ضرور ہوتا ہے۔ شریعت کی موٹی موٹی چیزوں کا علم ہوتا ہے جن جن چیزوں کا علم ہوتا ہے ان ان چیزوں پر عمل کرتے ہیں جتنا جتنا علم ہوتا ہے اتنا اتنا خدا سے ڈرتے ہیں تو یہ غیر علمار بھی ایک گونہ اہلِ علم میں داخل ہوئے اگرچہ ان کا علمی معیار کم ہے اور ان کا علم خواہ تعلیم حاصل کرنے کی بناء پر حاصل ہوا ہو یا علماء سے سن کر حاصل ہوا ہو۔ یا پوچھ پوچھ کر، انہوں نے کسی قدر علم حاصل کیا ہو یا علمار کی کتابوں کے ذریعہ تعلیم حاصل کی ہو غرض یہ کہ بعض رسمی علمار نہیں ہوتے لیکن ان کے پاس مختلف ذرائع علم سے علم آجاتا ہے اور اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض رسمی علمار ہوتے ہیں ان کو خاص علم نہیں ہوتا یا گناہوں کی وجہ سے بھلا دیا جاتا ہے پھر وہ بے علم لوگوں کی طرح ہوجاتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو دین کا کچھ بھی علم نہیں ہوتا جیسا کہ غیر مسلم ممالک کے رہنے والے بعض مسلمانوں کا حال ہوتا ہے تو وہ کیسے خدا سے ڈریں گے جبکہ ان کے پاس ڈرنے کا علم ہی نہیں ہے۔ بہرحال اللہ سے ڈرنے کے لئے علوم الٰہی کا حاصل ہونا ضروری ہے خواہ ذرائع کیسے بھی ہوں اس کے بغیر اللہ سے ڈرنا جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے ممکن نہیں ہے نیز یہ بھی واضح رہے بعض غیر عالم دیندار اور خدا ترس نظر آتے ہیں ان کے ڈرنے اور کسی عالم کے ڈرنے میں بڑا فرق ہے کیونکہ عوام اور بے علم دیندار جن کے پاس حقیقی طور پر قرآن وحدیث کا علم نہیں ہوتا اور احکام شرع کا ضروری علم نہیں ہوتا ایسے لوگوں کا ڈرنا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا اس کی وجہ یہ ہے چونکہ ان کے پاس قرآن وحدیث اور احکام شرع کا صحیح معنی میں علم نہیں ہوتا اس لئے کامل طور پر نہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ صحیح اور پورے طور پر

دین پر عمل کر سکتے ہیں کیونکہ جب ان کے پاس تمام ضروری امور کا علم ہی نہیں ہوتا تو علم کے بغیر عمل کیسے ہوگا اور ڈرنا کیسے ہوگا۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ غیر عالم دیندار اور خدا ترس نظر آتے ہوئے بھی ان کے اندر عقائد باطلہ اور نظریات فاسدہ پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کے بیشتر اعمال صحیح نہیں ہوتے یا ان کے اخلاق صحیح نہیں ہوتے انہیں برائیوں اور معاصی کی تفصیلات معلوم نہیں ہوتیں اس لئے ان سے پرہیز کا خیال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کے برعکس جو اہلِ علم اور علماء ربّانیّین اور علماء حقانی ہوتے ہیں درجہ بدرجہ وہ اپنے اپنے معیارِ علم کے مطابق عقائد اور نظریات کو درست کرتے ہیں اعمال و اخلاق کو درست کر لیتے ہیں اور تمام معاصی اور برائیوں سے بچنے کی سعی اور کوشش کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم میں خواہ کتنا ہی بے دینی کا رجحان ہو لیکن اسلام کی بنیادی چیزوں کی پابندی کرتے ہیں اور دین کی ضروری باتوں پر یقیناً عمل کرتے ہیں اگرچہ بعض فضائل اور نوافل کا اہتمام نہیں کرتے اور بعض دفعہ معاصی کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے تو چونکہ ان کو توبہ و استغفار کا بھی علم ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے فوراً معافی بھی مانگ سکتے ہیں لیکن بے علم لوگوں میں بہت زیادہ بے دینی اور گمراہی پائی جاتی ہے ان میں عقائد کی خرابی، بنیادی احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں زیادہ تر کوتاہی ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ بے علم لوگوں میں اکثریت تو گمراہوں کی اور غلط راہ پر چلنے والوں کی ہے۔ تھوڑے لوگ جو صحیح راہ پر چلتے ہیں اور چلنے کی سعی کرتے ہیں وہ بھی ناقص اور پُرخطر راہ میں ہوتے ہیں شیطان کے دھوکہ اور فریب میں بہت جلدی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلۂ مضامین میں فرمایا کہ اہلِ علم اور بے علم دونوں برابر نہیں ہوتے بلکہ اہلِ علم قرآن سے تذکرہ اور نصیحت حاصل کرتے ہیں احکام

کے مطابق چلتے ہیں اور یہی عقلمند اور اصحابِ شعور ہوتے ہیں اس کے برخلاف بے علم وہ قرآن سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ان کے پاس احکام کا صحیح علم نہیں ہوتا اس کے مطابق عمل کر نہیں پاتے یہ لوگ بے شعور اور بے عقل ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو ملاحظہ فرمائیے!

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ○ (سورۂ زمر۔ ۹)

آپ (ان منکرین توحید اور منکرین رسالت) سے کہہ دیں کہ کیا! علم والے اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہیں وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوتے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے سوالیہ انداز میں "کیا اہلِ علم اور بے علم برابر ہوتے ہیں؟" فرماکر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہوتے اہلِ علم اہلِ تقوٰی ہوتے ہیں اہلِ عمل ہوتے ہیں اور بے علم اہلِ تقوٰی اور اہل عمل نہیں ہوتے اہلِ علم کے اندر عقل ہوتی ہے بے علم کے اندر صحیح عقل نہیں ہوتی اہل علم ہدایت اور شریعت کی روشنی میں راہ راست پر چلنا چاہیں گے تو چل سکیں گے لیکن بے علم لوگوں کے پاس دین اور شریعت کی روشنی نہ ہونے کی وجہ سے صحیح طور پر دین پر چلنا چاہیں گے تو بھی نہیں چل سکیں گے۔ اہلِ علم سے پوچھ سن کر دین پر عمل پیرا ہونے کی کوشش میں لگے رہیں تب بھی راہ راست سے بھٹکنے کا اندیشہ غالب رہتا ہے۔

بہرحال علم بہت بڑی دولت ہے۔ نیز واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی آیات اور احادیث میں جہاں جہاں علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس سے مراد علومِ نبوی اور علومِ شریعت ہیں یعنی جس علم کی تعلیم دینے کے لئے اللہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے وہی علم سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت بیان کی جارہی ہے دنیوی علوم مراد نہیں ہیں بلکہ جن کو ہم دنیوی علوم سمجھتے ہیں وہ درحقیقت فنون ہیں جو انسان نے اپنی

مادی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے تجربات کے ذریعہ خود وضع کئے ہیں جبکہ علم صفاتِ الٰہیہ میں سے ایک صفت ہے۔

سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ٥ (سورۂ مجادلہ - ۱۱)

(اللہ تعالیٰ) تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجات بلند فرمائیں گے اللہ تعالیٰ کو سب کے اعمال کی پوری خبر ہے۔

تشریح :- آیت مذکورہ میں دو باتوں کی طرف بالخصوص توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک بات یہ کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے درجات بلند فرمائیں گے اور جو اہلِ ایمان نہیں ان کے درجات کو بلند نہیں فرمائیں گے بلکہ ان کو کوئی درجہ اور کوئی حیثیت نہیں دی جائے گی۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ اہلِ ایمان میں جو اہلِ علم ہوں گے ان کے درجات بے علم اہلِ ایمان کے مقابلہ میں بڑے بلند فرمائیں گے جس سے علم اور اہلِ علم کی برتری اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

ابتدائے نبوت میں پہلی وحی سورۂ اقرأ کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں ان میں چار آیتیں علم ہی سے متعلق ہیں۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے :

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ (سورہ علق - ۱تا۴)

"آپ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پوری مخلوق کو پیدا کیا اور انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا اور پڑھیے اپنے رب کریم کے نام سے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔"

تشریح : اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کرنے سے قبل اور بعد متعدد بار حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کو چاک کر کے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کے قلب مبارک کی خصوصی صفائی فرمائی اور اس کو نورِ ایمان اور علم و حکمت سے بھر دیا۔ آپ کی عمر شریف چالیس سال ہونے پر جب آپ کو نبی اور رسول بنائے جانے کی خبر اور خوشخبری دینے اور سورۂ اقراء کی پانچ آیتیں آپ کے قلب مبارک میں القاء کرنے کے لئے جبرئیل امین آپ کے پاس غار حراء تشریف لائے آپ کو نبوت کی بشارت دی اور آپ سے کہا پڑھیئے۔ آپؐ نے فرمایا میں لکھا پڑھا آدمی نہیں ہوں کیسے پڑھوں؟ حضرت جبرئیلؑ نے آپ سے معانقہ کرتے ہوئے خاص انداز میں آپ کو شدید دبایا پھر فرمایا پڑھیئے؟ آپ نے وہی جواب دیا کہ میں لکھا پڑھا آدمی نہیں ہوں، حضرت جبرئیلؑ نے دوبارہ آپ کو اسی انداز سے شدت کے ساتھ دبایا اور کہا پڑھیئے! آپ نے پھر فرمایا کہ میں لکھا پڑھا نہیں ہوں۔ جبرئیل امین نے پھر تیسری مرتبہ اسی شدت کے ساتھ آپ کو بھینچا اور پھر چھوڑ کر مذکورہ پانچ آیات مسلسل پڑھ ڈالیں۔ اس کے بعد آپ کا سینہ کھل گیا۔ آپ نے فوراً پڑھنا شروع کر دیا۔ یوں سورۂ اقراُ کی ابتدائی پانچ آیتیں آپؐ پر نازل ہوئیں۔ پھر آپ غارِ حرا سے گھر واپس تشریف لے آئے۔

وضاحت

پہلی اور تیسری آیت میں اپنے رب کریم کے نام سے جو چیز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور پڑھنے کے لئے کہا گیا ہے وہ قرآن ہے، وحی ربانی کی آیتیں ہیں، پھر اپنے رب کے نام سے پڑھنے کا حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا پڑھنا رب تعالیٰ کا حکم ہے اور رب تعالیٰ کے نام سے پڑھنے کا حکم ہے اس لئے آداب تلاوت میں یہ اصول قرار پایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو بسم اللہ پڑھ کر شروع کیا جائے۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے کہ "جب قرآن پڑھا جائے تو اُعوذ باللہ سے شروع کیا جائے۔ دونوں آیتوں کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن کریم کی جب بھی تلاوت شروع کی جائے تو اُعوذ باللہ اور بسم اللہ

پڑھ کر شروع کی جائے۔

چوتھی اور پانچویں آیات میں تعلیم کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو طریقے سے علم عطا کیا ہے۔ بعض کو تو اسبابِ علم اختیار کرنے سے علم عطا کیا جس کو "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" سے ذکر فرمایا اور بعض کو اسباب کے راستہ سے علم نہیں دیا بلکہ ظاہری اسباب اختیار کئے بغیر ان کے قلوب پر علومِ ربانی کا القاء کیا جس کو "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ" سے ذکر فرمایا۔

دراصل ان آیتوں میں اس کا جواب بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا "کہ میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں کیسے پڑھوں" یعنی میں نے اسباب حصول علم کے زندگی بھر اختیار نہیں کئے کہ جان سکوں کیسے پڑھا جاتا ہے اور پڑھنا کسے کہتے ہیں۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس کا جواب بھی رکھ دیا ہے کہ علم کا حاصل ہونا اسباب اختیار کرنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ جیسا اسباب اختیار کرنے سے علم ملتا ہے اسی طرح بلا اختیارِ اسباب بھی علم مل سکتا ہے، کیونکہ میری طرف سے علم عطا کیا جانے کا ایک تو معروف اور عام طریقہ ہے جیسا کہ دوات قلم لے کر اور دوسرے اسبابِ ضروریہ کے ساتھ انسان استاد کے پاس جائے آہستہ آہستہ ایک ایک حرف سیکھے پھر جوڑنا سیکھے پھر کلمہ اور جملہ بنانا سیکھے اس طرح ترقی کرتا ہوا مدتوں کے بعد ماہر عالم بن جائے۔

دوسرا طریقہ جو خواص کے ساتھ مخصوص ہے کہ اسبابِ علم اختیار کئے بغیر براہ راست ان کے دل میں علم کا القاء کر دیتے ہیں یا بواسطہ جبرئیل علیہ السلام مخصوص بندوں کے سینوں میں مخصوص طریقوں سے علوم سماوی ڈال دیتے ہیں لہٰذا آپ نے اگر علم کے لئے اسباب علم اختیار نہیں کیا تو کچھ حرج نہیں آپ کو بلا اسباب علم عطا کیا جائے گا اور یہی معاملہ اللہ کا تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلا واسطہ اسباب علم عطا فرمایا ہے لیکن امت کے لئے حکم ہے کہ وہ حصولِ علم کے تمام اسباب اختیار کرے

پھر اللہ تعالیٰ سے علوم ربانی عطا کرنے کی درخواست کرے دُعائیں کرے۔

غرض ان آیتوں میں علم ربانی کی فضیلت اور برتری ظاہر کی گئی ہے خواہ وہ علم اسباب اختیار کرنے سے ملا ہو یا بدون اسباب اختیار کئے دونوں صورتوں میں علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کہ علم اسی نے سکھلایا اسی نے عطا کیا ہے خواہ براہ راست یا بالواسطہ، اور جس چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے اس کی عظمت و قدر کیا ہوگی ہر ذی شعور اور صاحب عقل کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے اس میں بنیادی نکتہ سمجھنے کے لئے مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

علمِ دین کی اہمیت اور اس کی فضیلت
احادیثِ رسولؐ کی روشنی میں

علمِ دین کی ضرورت اور اہمیت کو قرآن کریم کی روشنی میں تحریر کرنے کے بعد علم دین کی فضیلت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مستند اور صحیح احادیث بھی لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس تحریر کے پڑھنے والے کو علم کی اہمیت اور فضیلت کے سلسلہ میں بیک وقت قرآن و حدیث دونوں کی ہدایات اور تعلیمات کا علم ہو جائے اور وہ خود علم دین حاصل کرنا چاہے یا اپنے بچوں کو تعلیم دینا چاہے تو بصیرت اور سمجھداری سے تعلیم حاصل کر سکے اور دلا سکے۔ اس بارے میں کسی قسم کا شک اور تردد پیش نہ آئے بلکہ اطمینان و سکونِ قلبی کے ساتھ اس بارے میں اقدامات کر سکے۔

اب احادیث ملاحظہ کیجئے!

(۱) عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر اور بھلائی کا

بہ خیرا یفقھہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ معطی۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲ ج ۱، بخاری ص ۱۶ ج ۱)

ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کا فہم عطا فرما (کر دین کو سمجھنے والا بنا) دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہی دینے والا ہے میں تو تقسیم کرنے والا اور بانٹنے والا ہوں۔

تشریح: حدیث مذکور میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا تفقہ اور دین کا فہم عطا فرماتا ہے اور دین کا فہم اور سمجھ آنا علم کے بغیر چونکہ نہیں ہو سکتا اس لئے علم کا ہونا ضروری ہے علم دین حاصل ہوگا تو اس کے ساتھ دین کا فہم اور تفقہ بھی آئے گا۔ مطلب یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین و شریعت کا صحیح علم عطا فرمایا، گویا اس کو دین کا علم اور فہم عطا فرمایا ہے اور جس کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے اس کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمایا۔ کیونکہ بھلائیاں اور نیکیاں علم پر موقوف ہیں خواہ علم تھوڑا ہو۔

حدیث کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے " اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانٹنے والے ہیں" اس سے معلوم ہوا کہ علم عطا کرنے اور دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اہلیت اور استعداد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے جتنا علم رکھا ہے اسے تقسیم یعنی امت کو پہنچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا یعنی امت کے لئے جتنا علم اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے ان سب علوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے تعلیم دی گئی۔ صحابہ کرام نے آپؐ سے حاصل کیا ان سے تابعین نے پھر تابعین سے تبع تابعین نے پھر سلسلہ در سلسلہ دنیا میں علم تقسیم ہوتا رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

واضح رہے کہ علم کی تقسیم ایسے نہیں ہے جیسے مال و دولت اور جائیداد وغیرہ کی تقسیم ہوتی ہے کہ حصۂ متعینہ نامزد کر کے تقسیم کرنے والا پہنچا دے خواہ وہ لینا چاہے یا نہ لینا چاہے

بلکہ اس کی تقسیم یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم دین کی تعلیم آپؐ سے علم حاصل کرنے والے صحابہ کرام کو برابر دی ۔ باقی جس کی قسمت میں جتنا تھا وہ اتنا حاصل کرسکا جس کی قسمت میں زیادہ علم تھا اس نے زیادہ حاصل کیا اور جس کی قسمت میں کم تھا اس نے کم حاصل کیا اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جتنا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور جتنی تعلیم آپ نے صحابہؓ کے سامنے دی مساوی طور پر سب نے حاصل کر لی ہو اور سب برابر کے عالم اور فقیہ بن گئے ہوں بلکہ بعض صحابہؓ نے آپؐ سے بہت زیادہ علم حاصل کیا اور بعض نے کم ۔ جس کی جتنی استعداد تھی اس نے اتنا علم حاصل کیا اور جس کو اللہ نے جتنا چاہا دے دیا ۔

اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سارے کے سارے فقہاء نہ تھے سب کے سب برابر کے محدث نہ تھے ، سب صحابہ کرام برابر کے قاری بھی نہ تھے بعض صحابہ کرام فقہا اور مفتی کے مقام پر فائز تھے اور وہ بہت تھوڑے تھے اور بعض صحابہ کرامؓ یعنی محدث زیادہ حدیث جاننے والے تھے اور بعض ان سے کم جاننے والے بعض ان سے بھی کم جاننے والے تھے . اور بعض صحابہؓ زیادہ علمِ قرأت جاننے والے قاری تھے . بعض ان سے کم قرأت جاننے والے تھے بعض ان سے بھی کم جاننے والے غرض دین کا علم رکھنے والے سب برابر نہ تھے ان میں اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والے بھی تھے اوسط اور ادنیٰ درجہ کا علم رکھنے والے بھی لیکن مقامِ صحابیت کی وجہ سے ان کا مقام بعد کے تمام انسانوں سے بلند تھا اور علم کا زیادہ اور کم دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف تقسیم و تلقین کا اختیار تھا . حدیث مذکورہ کی یہ تشریح محدثینِ کرام اور شارحینِ حدیث سے منقول ہے اس لئے بعض گمراہ فرقوں کے نمائندوں کی تشریح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم علم کے بارے میں مختار کل تھے جس کو جتنا چاہتے دے دیتے اور جس کو چاہتے نہیں دیتے جس کو چاہتے کم دیتے جس کو چاہتے زیادہ دیتے یا جس کو چاہتے بالکل کچھ نہیں دیتے نہایت ہی غلط اور گمراہ کن تشریح ہے بلکہ حدیث کی تشریح وہ معتبر اور صحیح ہے جس کو ہم نے محدثین کرام کے حوالہ

سے اوپر بیان کیا ہے۔

۲ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مات الانسان انقطع عمله الامن ثلاثة الامن صدقة جارية اوعلم ينتفع به أو ولد صالح يدعوله۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس سے اس کے تمام اعمال بند ہو جاتے ہیں مگر تین طرح کے آدمیوں کے اعمال بند نہیں ہوتے ایک ۱ وہ شخص جس نے کوئی صدقہ جاریہ کیا ہے یا ۲ جس نے علم دین (کی اشاعت کا کوئی ذریعہ) چھوڑا ہے کہ اس کے بعد لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یا ۳ جس نے نیک اور صالح اولاد چھوڑی ہے جو کہ اس کے بعد اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔

(مشکوٰۃ ص۳۲ ج۱، مسلم ص۴۱ ج۲، دارمی ص۱۳۹ ج۱)

تشریح :۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان جب تک زندہ رہتا ہے اس کے اعمال کا سلسلہ جو زندگی میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا، حلال کمانے، حلال کھانے، سچ بولنے اور سچائی پر چلنے کا، تسبیح و تہلیل اور دوسری نیکیوں کا کر رہا تھا جاری رہتا ہے لیکن مرنے کے بعد سارا سلسلہ بند ہو جاتا ہے مگر تین طرح کے آدمیوں کا سلسلۂ اعمال مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

۱ ایک اس شخص کا عمل جاری رہتا ہے جو کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ کر گیا ہو مثلاً کوئی مسجد بنا دی یا کوئی دینی مدرسہ بنا دیا یا کسی غریب لڑکے کو خرچ دے کر عالم بنا دیا کوئی کنواں بنوا دیا جس سے لوگ پانی پیتے ہوں یا کوئی راستہ یا کوئی پُل بنا دیا جہاں سے لوگ گذر سکتے ہوں تو جب تک اس کی چھوڑی ہوئی چیز رہے گی صدقہ والا کام باقی رہے گا۔ اس کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا اعمال نامے میں سلسلۂ

اجر و ثواب کا اندراج جاری رہے گا۔

(۲) دوسرے اس شخص کا عمل جاری رہے گا جو دینی علم کا کوئی سلسلۂ تبلیغ و اشاعت چھوڑ کر گیا ہے یا سلسلۂ تعلیم و تعلّم یا سلسلۂ تصنیف و تالیف یا سلسلۂ مواعظ و تذکیر چھوڑ کر انتقال ہوا ہے، اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے اعمال کا سلسلہ بند نہ ہو گا بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ یا تعلیم و تعلّم کا سلسلہ یا تصنیف و تالیف سے استفادہ و افادہ کا سلسلہ جب تک جاری رہے گا اس کے اعمال نامہ میں ثواب اور اجر کا اندراج ہوتا رہے گا تو گویا انسان کے مرنے کے بعد بھی اس کے اعمال کا ثواب و اجر جاری رہے گا۔

(۳) تیسرے اس شخص کے اعمال بند نہیں ہوں گے یعنی اس کو مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہے گا جس نے کوئی نیک، صالح یا عالم اولاد چھوڑی ہے جو کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے، اعمالِ بدنیہ یا مال صدقہ کرکے ثواب پہنچاتی ہے مثلاً والد کے لئے نوافل پڑھ کر، تلاوت کرکے، تسبیح و تہلیل کرکے، روزہ رکھ کر ایصالِ ثواب کرتی ہے یا صدقہ و خیرات کرکے ثواب رسانی کرتی ہے تو ایسے آدمی کا سلسلۂ ثواب بھی جاری رہے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ علمِ دین کی تعلیم و تعلّم اور تبلیغ و اشاعت یہ ایسے امور ہیں کہ ان کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد انسان اگر مر بھی جائے تو بھی ان کا اجر و ثواب جاری رہتا ہے اور اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس کے علم سے افادہ و استفادہ جاری رہتا ہے۔

یہاں پر یہ چیز قابل غور ہے کہ صدقۂ جاریہ میں مثلاً جب تک اس کا بنایا ہوا مدرسہ رہے گا اور تعلیم جاری رہے گی ثواب ملے گا لیکن مدرسہ اگر بند ہو گیا یا تعلیم منقطع ہو گئی تو سلسلۂ ثواب ختم ہو جائے گا کنواں بنوا دیا جب تک کنواں رہے

گا اور اس سے لوگوں کا استفادہ رہے گا ثواب ملے گا لیکن اگر کنواں بند ہوگیا یا بھر گیا اور اس کے منافع ختم ہوگئے تو ثواب کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا اور تجربے اور مشاہدے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ چیزیں زیادہ سے زیادہ ایک دو صدی تک جاری رہتی ہیں اس کے بعد بہت کم باقی رہتی ہیں اس کے برخلاف دینی تعلیم وتعلّم کا سلسلہ ایسا ہے کہ جب تک اس کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد یا اس کے پیچھے تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا اس کی تبلیغ واشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا اس کی تصنیف وتالیف سے استفادہ ہوتا رہے گا اس کے مواعظ اور نصیحتیں باقی رہیں گی اس وقت تک اس عالم کے لئے ثواب کا سلسلہ جاری رہے گا مثال کے طور پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو قرآن وحدیث بلکہ پورے دین کی تعلیم دی۔ آپ کے بعد صحابۂ کرامؓ نے قرآن وحدیث کے علوم کو آگے دوسروں تک پہنچایا۔ پھر تابعینؒ نے ان کے بعد والوں تک پہنچایا اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا اور قیامت تک اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا رہے گا۔ پھر صحابہؓ کو پہنچتا رہے گا پھر تابعینؒ کو پہنچتا رہے گا۔ غرض اس سلسلۂ تعلیم وتعلّم میں جو بھی داخل ہوگا پھر اس کام کو آگے جاری رکھے گا تو بعد والوں کا ثواب بھی پہلے والوں کو ملتا رہے گا جس نے تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھا اس کو اپنی تعلیم کا ثواب ملے گا اس کے ساتھ ساتھ جس نے اس کو تعلیم دی ہے اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا پھر اس کے اوپر والے کو بھی اتنا ثواب ملے گا، شدہ شدہ بالآخر بانیٔ شریعت حاملِ علم شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اتنا ثواب ملے گا جس سے معلوم ہوا کہ سلسلۂ تعلیم وتعلّم کا ثواب واجر ایسا ہے کہ تادیر اس کا سلسلہ جاری رہنے کا غالب امکان ہے اس سے علمِ دین کی تعلیم وتعلّم کی فضیلت ثابت ہوئی اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم میں لگائیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((قال فانی سمعت رسول اللہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ
صلی اللہ علیہ وسلم	فرماتے ہوئے سنا کہ جو کوئی علم دین حاصل
یقول من سلك طریقا	کرنے کے لئے علم کے راستہ پر چلے گا
یطلب فیہ علماً	تو اللہ تعالیٰ اسے جنّت کے راستہ پر چلائے
سلك اللہ بہ طریقا	گا (دوسری روایت میں ہے اس کے لئے
من طرق الجنّة	جنّت کے راستے آسان فرما دے گا) اور
وان الملائکة لتضع	بلاشک فرشتے دین کے طالب علم کے لئے
أجنحتھا رضاً لطالب	اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور بے شک
العلم وان العالم	عالم دین کے لئے تمام آسمان اور زمین
یستغفر له من	والے اور سمندر کے اندر مچھلیوں تک دُعا
فی السمٰوات ومن	اور استغفار کرتی ہیں اور یہ کہ ایک
فی الأرض والحیتان	عالم دین کی فضیلت ایک غیر عالم عبادت
فی جوف الماء وان	گذار کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ چودہ
فضل العالم علی العابد	تاریخ کے چاند کی ستاروں کے مقابلہ
کفضل القمر	میں اور یہ کہ علماء دین انبیاء علیہم الصلوٰة
لیلة البدر علی	والسلام کے وارث اور جانشین ہیں اور
سائر الکواکب وانما العلماء	یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰة والسلام نے وراثت
ورثة الأنبیاء وان الأنبیاء	میں دینار اور درہم نہیں چھوڑے ہیں مگر
لم یورّثوا دینارا ولا درھما	انہوں نے علم دین کو وراثت میں چھوڑا
وانّما ورّثوا العلم فمن أخذہ	ہے جس نے علم حاصل کیا تو اس نے بہت
أخذ بحظ وافر . (مشکوٰة ص۳۴ ج۱	بڑا حصّہ وراثت کا حاصل کیا۔

ابو داؤد ص۱۵۳ ج۲ ، ترمذی ص۹۳ ج۲ ، ابن ماجہ ص۲۰ ، دارمی ص۹۸ ج۱)

تشریح

(الف) پہلی بات تو یہ ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو علم دین حاصل کرنے کے واسطے علم دین کے راستہ پر چلا تو اللہ تعالیٰ جنّت کے راستے اس پر آسان فرما دیں گے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے ان بچوں اور طلبار کے لئے جو علمِ دین حاصل کر رہے ہیں یا جنہوں نے علمِ دین حاصل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے جنّت کے راستے آسان فرما دیں گے ان کو جنّت میں جانے کے لئے اتنی مشکلات پیش نہیں آئیں گے۔ لیکن جو بچّے، جوان، بوڑھے علم دین حاصل کرنے میں نہیں لگے ہیں نہ انہوں نے علم دین حاصل کیا ہے وہ اس خوشخبری سے محروم رہیں گے ان کو جنت کے راستہ پر چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اللہ تعالےٰ سب کے لئے اس راستہ پر چلنا آسان فرمائیں۔

(ب) دوسری بات یہ کہ دین کے طلبار کی خوشنودی اور رضامندی بلکہ ان کے اعزاز میں اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔

یہاں پر اس آیت کو ذہن میں لایا جائے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے نوازا تو فرشتوں کو تعظیم اور سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا تو گویا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم ہونے کے اعزاز میں انہوں نے سجدہ کیا ہے یہاں پر بھی امّتِ محمدیہؐ کے اہل علم اور طلبار کے اعزاز میں فرشتے پر بچھا دیتے ہیں یہ دینی طالب علموں کے واسطے بہت بڑا اعزاز ہے۔ ساری دنیا والوں کے اعزازات کو اگر سامنے رکھا جائے تو اس کے مقابلہ میں ان کی کچھ وقعت نہیں ہے اور یہ اعزاز تنہا اتنا اونچا اعزاز ہے کہ علم دین کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔

(ج) تیسری بات یہ کہ اہل علم کے لئے تمام آسمان والے اور زمین والے حتیٰ کہ سمندر

کی مچھلیاں بھی دعائے استغفار کرتی ہیں لیکن جو لوگ بے علم ہیں یا دین کے علم میں نہیں لگے وہ اس دعا اور استغفار سے محروم ہیں۔ واضح رہے کہ آسمان والوں میں تمام فرشتے ہیں اور زمین والوں میں تمام فرشتے اور دوسری مخلوقات اور اللہ کے تمام نیک بندے شامل ہیں تو جب یہ سب دین کے علم والوں کے لئے استغفار کریں گے، دعا کریں گے، یقینی بات ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فرشتوں اور تمام مخلوق اور نیک بندوں کی دعاؤں اور استغفار کو رد نہیں فرمائیں گے اس طرح اہلِ علم کی مغفرت انشاء اللہ ہو ہی جائے گی۔ اللہ اکبر، کتنی بڑی خوشی اور فضیلت کی بات ہے۔

(د) چوتھی بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم دین والوں کی فضیلت کے بارے میں ایک مثال دے کر فرمایا کہ عالمِ دین اگر زیادہ عبادت گذار نہیں پھر بھی بے علم عبادت گذار بندے کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ چودہ تاریخ کا چاند ستاروں کے مقابلہ میں۔ جس طرح چودھویں تاریخ کے چاند کے مقابلے میں ستاروں کی کوئی حیثیت نہیں اس طرح بے علم عبادت گذار بندہ جو کہ اپنے اعتبار سے دیندار ہے، ایک عالمِ دین کے مقابلہ میں اس کی خاص کوئی حیثیت نہیں اور اس کی مثالی صورت اور نقشے انشاء اللہ قیامت کے روز ظاہر ہوں گے اور سب مشاہدہ کریں گے۔

(ھ) پانچویں بات حدیث میں یہ فرمائی گئی کہ علمائے دین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعی وارث ہیں اور ان کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے علمِ دین کی وراثت ملی ہے مال و دولت کی وراثت نہیں۔

غور کرنے کی بات ہے۔ علماء صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث نہیں بلکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے ایک لاکھ یا دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور رسولوں کے ورثاء ہیں۔ لہٰذا انبیاءؑ کے وارث ہونے کے اعتبار سے ان کو جو اعزاز، فضیلت اور برتری حاصل

ہے۔ دینی علوم سے محروم لوگوں کو وہ فضیلت اور برتری حاصل نہیں اور علمائے دین بھی سب برابر نہیں بلکہ جس نے جتنا علم دین حاصل کیا ہوگا اس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اتنی ہی وراثت کو حاصل کیا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت میں یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ جس نے جتنا علم حاصل کیا وہ آگے دوسرے لوگوں تک اس کو ضرور پہنچائے۔ یہ بات اس پر لازم ہے اگر کسی عالم دین نے ایسا نہیں کیا تو گویا اس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت کو حاصل تو کیا لیکن اس کو ضائع کر دیا جس کی مسئولیت آخرت میں ہو گی۔

پھر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت کے لفظ سے ایک اور بات سمجھ میں آرہی ہے کہ علم دین کے پھیلانے میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح تکالیف اور ایذاء برداشت کی ہیں اس طرح علماء دین کو بھی اسی سلسلہ میں تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنی ہوں گی جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے صبر و استقلال سے کام لیا ہے اسی طرح علماء دین کو بھی صبر و استقلال سے کام لینا ہوگا تب جا کر وراثت کا صحیح حق ادا ہوگا۔

○ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلان احدھما عالم والآخر عابد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل العالم علی العابد کفضلی	وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر ہوا (کہ ان میں سے کون بہتر ہے اور وہ دو آدمی ایسے تھے کہ) ایک عالم تھا دوسرا عالم نہیں تھا لیکن زیادہ عبادت گذار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علی ادناکم ثم	عالم کی فضیلت اس غیر عالم کے مقابلہ میں
قال رسول اللہ	ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے
صلی اللہ علیہ	ادنیٰ صحابی پر پھر آپ نے فرمایا بے شک
وسلم ان اللہ	نیکی کی تعلیم دینے والوں پہ اللہ تعالےٰ
وملائکتہ	رحمت نازل فرماتے ہیں اور اس کے
واھل السموات	فرشتے اور تمام آسمان اور زمین والے
والارض حتی	یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں
النملۃ فی جحرھا	میں اور مچھلیاں سمندروں میں سب
وحتی الحوت لیصلون	ان کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں.
علی معلم الناس	پھر آپؐ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت
الخیر ثم تلا ھذہ	فرمائی: "کہ بے شک اللہ تعالےٰ سے
الآیۃ "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ	علماء ہی ڈرتے ہیں"

مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُ (ترمذی ص ۹۳ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۳۴ ج ۱)

تشریح :۔ عالم دین کی فضیلت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب مثال دی کہ میرے اور ایک ادنیٰ صحابی کے درمیان جو فرق ہے وہی فرق ایک عالم دین اور بے علم آدمی کے درمیان ہے علم دین حاصل کرنے والوں کے لئے کتنی بڑی فضیلت اور اعزاز ہے اگر ساری دنیا کی دولت لٹا دی جائے تب بھی اتنی بڑی ڈگری نہیں مل سکتی جبکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے اہل علم کو اتنی بڑی ڈگری عطا فرمادی، اتنا بڑا اعزاز بخشا جس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

پھر جو اہل علم تعلیم میں لگے ہوئے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلسل رحمت کا نزول اور تمام فرشتوں اور مخلوق کی جانب سے دعائیں ان کو

کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ تمام مسلمانوں کے دل میں علم دین کی اہمیت پیدا کر دے اور اس کا احساس عطا فرمائیں تاکہ وہ اپنے بچوں کو علم دین حاصل کرنے اور اس کے پھیلانے میں لگائیں یوں وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث بنیں۔

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع (ترمذی ج۲ ص۹۸، مشکوٰۃ ج۱ ص۳۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دین کا علم حاصل کرنے کے واسطے گھر سے نکلا تو واپس گھر پہنچنے تک مسلسل اللہ کے راستہ میں ہے۔

تشریح: یعنی جو آدمی علم کی طلب میں لگ گیا اور اس میں لگا رہا جب تک وہ تعلیم کو ختم نہیں کرتا وہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ کے راستے میں لگا ہوا ہے لہٰذا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور مغفرت کا ایسا معاملہ کرے گا جیساکہ اس کے راستے میں چلنے والوں کے ساتھ کرتا ہے اور اگر اس میں وفات پا گیا تو اللہ کے راستے میں شہید ہوگا اور اس کو شہادت کا اجر ملے گا۔

○ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نضّر اللہ امرأً سمع منّا شیئًا فبلّغہ کما سمعہ فربّ

وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش کرے جس نے کچھ مجھ سے سنا پھر اس کو دوسروں تک اسی طرح پہنچایا جس طرح مجھ سے سنا ہے۔ بہت سے پہنچانے والوں کے مقابلہ میں سننے

مبلغ اوعیٰ لہ من سامع ۔ والا زیادہ یاد کرنے والا ہوتا ہے۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی، بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۵)

تشریح : یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے دعا فرمائی ہے جن لوگوں نے آپ کے علم یعنی علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کیا اور پھر اس کو دوسروں تک پہنچایا۔ پھر آپ نے فرمایا بعض دفعہ علم سکھانے والے کے مقابلہ میں سیکھنے والا زیادہ علم کو یاد کرنے والا اور سمجھنے والا ہوتا ہے۔ وہ اپنے استاذ سے بھی زیادہ اچھے انداز میں علم کو آگے دوسروں تک پہنچاتا ہے جس سے دینی علم کے استاذ اور شاگرد یعنی علم سکھانے والے اور علم حاصل کرنے والے اور پھر اس کو دوسروں تک پہنچانے والے معلّم اور مبلّغ سب کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبض العلم ویظھر الجھل والفتن ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کو اٹھالیا جائے گا پھر جہل کا ظہور ہوگا اور فتنے شروع ہوں گے قتل وغارت کی کثرت ہوگی۔

(بخاری ص ۱۸ ج ۔ ۱)

تشریح :۔ حدیث مذکور کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشنگوئی فرمائی کہ علم اٹھتا جائے گا اور جہل عام ہو جائے گا اور جہل عام ہوگا تو فتنے شروع ہوں گے اور قتل و غارت گری شروع ہو جائے گی اور امن ختم ہو جائے گا۔

گویا جب تک علم دین اور علماء دین کا غلبہ اور علم کا سلسلہ باقی رہے گا تو نہ فتنہ وفساد کی کثرت ہوگی نہ قتل عام ہوگا لیکن جب علم کا سلسلہ کم ہوتا جائے گا اور مستند علماء دین کم ہوتے جائیں گے جہل عام ہوتا جائے گا تو فتنے اور فسادات شروع ہوں گے قتل و غارت گری کی کثرت ہوگی تو معلوم ہوا کہ علم دین سبب

امن وسکون ہے اور اس کا زوال فتنہ و فساد کا موجب ہوگا. اس سے علم دین کی فضیلت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

○ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالم اتخذ النّاس رؤسا جهالا فسألوا فافتوا بغير علم فضلّوا واضلّوا

(بخاری ص ۲۰ ج ۔ ۱
مسلم ص ۳۴۰ ج ۔ ۲)

وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ علم دین کو سینے سے کھینچ کر نہیں اٹھایا جائے گا بلکہ دنیا سے علما ء اٹھا لئے جائیں گے اس طرح علم اٹھ جائے گا اور صحیح عالم دین باقی نہیں رہے گا. لوگ جاہلوں کو اپنے لیڈر اور سرپرست بنائیں گے اور ان سے مسائل کا حل پوچھا جائے گا اور یہ بے علم نمائندے بدون علم کے مسائل کے حل پیش کریں گے (چونکہ) خود گمراہ ہوں گے (لہٰذا) دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے.

○ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا حسد الا فى اثنين رجل اتاه الله هذا الكتاب فقام به اناء الليل واناء النهار

وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو آدمیوں کے علاوہ کسی پر حسد (یعنی رشک) نہیں کرنا چاہیے. ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (یعنی قرآن) کا علم دیا اور وہ دن رات اس کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور

ورجل اتاه الله مالا فتصدق به آناء الليل وآناء النهار. (مسلم ص۲، ج۱)	دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور دن رات وہ اس میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا رہتا ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں کہا گیا ہے کہ عالم دین اور مالدار سخی کے علاوہ کسی پر حسد نہیں کرنا چاہیئے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان پر حسد کرنا چاہیئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں (اپنی اپنی جگہ) ایسی نعمت عظیمہ کے مالک ہیں کہ ان پر رشک کرنا چاہیئے دنیا میں کوئی نعمت ایسی نہیں کہ ان پر غبطہ یعنی رشک کیا جائے سوائے علمِ دین اور دین پر خرچ ہونے والے مال کے۔ اس سے علمِ دین کی قدر و منزلت ظاہر ہوتی ہے اور دین کے راستے میں مال خرچ کرنے کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔

○ حضرت عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ:

ان نافع بن عبد الحارث لقی عمر بعسفان وكان عمر يستعمله على مكة فقال من استعملت على اهل الوادي؟ فقال ابن ابزى قال ومن ابن أبزى؟ قال مولى من موالينا قال فاستعملت عليهم مولى قال انه	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع بن الحارث کو مکہ کا گورنر بنایا تھا نافع کی ملاقات جب عسفان میں حضرت عمرؓ سے ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا وادی القریٰ (ایک علاقہ کا نام) میں کس کو گورنر بنایا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابن ابزیٰ کو۔ نافع نے دریافت کیا ابن ابزیٰ یہ کون ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے، نافع نے کہا آپ نے ایک آزاد کردہ غلام کو گورنر بنا دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ کتاب اللہ

قاری لکتاب اللہ عزّ وجلّ وانہ عالم بالفرائض قال عمر أما ان نبیّکم صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان اللہ یرفع بھذا الکتاب أقواما و یضع بہ آخرین" (مسلم ص ۲۷۲ ج ۲)

کے ماہر قاری اور عالمِ دین ہیں اور شرعی علوم اور ضروریات دین سے واقف ہیں کیا آپ کو خبر نہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی قرآن کے ذریعہ بعض لوگوں کو بلند مراتب پر پہنچا دیتے ہیں اور بعضوں کو پستی میں گرا دیتے ہیں۔

تشریح: روایت مذکورہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آزاد کردہ غلام ابن ابزیٰ کو ایک علاقہ کا گورنر بنا کر بھیجا کیونکہ وہ کتاب اللہ (قرآن کریم) کے ماہر قاری اور عالم تھے اور شرعی احکام اور فرائض دینیہ سے واقف تھے۔ چنانچہ نافع بن حارث نے جب ان کو اتنا اونچا مقام دینے کی وجہ پوچھی تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ بعضوں کے درجات کو بلند فرماتے ہیں۔ یعنی جو اس کتاب کا علم حاصل کر کے اس پر عمل بھی کرتے ہیں ان کو دنیا میں بھی عزت عطا کرتے ہیں اور آخرت میں درجات عالیہ سے نوازیں گے اور بعضوں کو پست کرتے ہیں یعنی جو نہ قرآن کریم کو صحیح طور پر پڑھنا سیکھتے ہیں نہ اس کے ضروری علوم حاصل کرتے ہیں بلکہ کتاب اللہ کے علم سے دور رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پستیوں میں دھکیل دیتے ہیں یعنی ان کو دنیا و آخرت میں ذلیل کرتے ہیں۔ نیز حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قوانینِ دینِ اسلام کے مطابق حکومت کرنے اور چلانے کے لئے دینی علوم کی جس قدر ضرورت ہے اتنی دنیوی علوم کی ضرورت نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ میں حکومت چلانے والوں کے پاس دنیاوی علوم تو ہیں لیکن دینی علوم سے کورے ہونے کی وجہ سے دینی حکومت چلانے کے اہل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اسلامی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو آئیں، بائیں، شائیں کرتے ہیں اور اگر بعض حکمران مخلص بھی ہوتے ہیں تو بھی جہالت کی بنا پر خود کچھ کر نہیں سکتے اور علمائے کرام سے مشورہ و تعاون لینے کو وہ اپنی ذات اور اپنے اقتدار کے لئے موت کی طرح خطرہ سمجھتے ہیں اس واسطے علماء سے کتراتے ہیں۔

غرض مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث کے علم کی اہمیت اور ضرورت بہت زیادہ ہے اور اس کی فضیلت دنیا و آخرت میں بہت بڑی ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کو دینی علم میں لگائیں اور بقدر ضرورت دنیوی علوم کی تعلیم دلا کر اپنے بچوں کو دینی علوم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا موقع دیں جس طرح ہر مسلمان پر اپنے دین و ایمان کا بچانا ضروری ہے اسی طرح اپنے اہل و عیال یعنی بیوی بچوں کا دین و ایمان بچانا بھی ضروری و لازم ہے اور دینی علوم حاصل کئے بغیر دین و ایمان کا بچانا اور دین پر چلنا اور دین کے مطابق زندگی گذارنا بہت ہی مشکل ہے۔

اسی واسطے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ	اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر سخت گیر اور مضبوط فرشتے نگران مقرر ہیں ان کو خدا تعالیٰ جو بھی حکم دیتا ہے وہ کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے

مَا یُؤمَرُوْنَ ۔ اور جو بھی ان کو حکم دیا جاتا ہے اس
(سورۃ التحریم ۔ ۶) کو بجالاتے ہیں ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں تمام ایمانداروں سے خطاب فرمایا اور حکم دیا ہے کہ خود کو بھی اور بیوی بچوں کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خود قرآن اور قرآنی علوم سیکھو اور اس پر عمل کرو پھر اپنے بیوی بچوں کو قرآنی علوم کی تعلیم دو۔ پھر اس کے بعد اپنی استطاعت کی حد تک خود اس پر عمل کرنے اور ان سے کرانے کی سعی اور کوشش میں لگے رہو ۔

چنانچہ احکام القرآن میں امام ابوبکر جصاصؒ حضرت حسن بصریؒ سے اس کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں: "قولہ قوا أنفسکم الخ" یعنی بیوی اور بچوں کو دینی تعلیم دینا، اطاعت اور نیک اعمال کا حکم کرنا، معاصی اور تمام بُرے اعمال سے ان کو روکنا مراد ہے۔ امام ابوبکرؒ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم اہل و عیال اور بیوی بچوں کو دین کی تعلیم دلائیں اور ان کی اخلاقی تربیت کریں۔" (ص ۴۶۴ ج ۳)

واضح رہے کہ اگر ہم قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق اپنے بیوی بچوں کی تربیت کریں گے اور ان کو دینی تعلیم دلائیں گے تو ہمارا گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا، ہمارا معاشرہ صحیح ہو جائے گا۔ باپ بیٹے کے تعلقات صحیح ہوں گے سب پیار و محبت سے رہیں گے بیوی بچوں کے درمیان باہمی کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو گا پڑوسی اور رشتہ داروں سے مراسم اچھے رہیں گے، دکانداروں اور بازار کے لوگوں سے معاملات صحیح رہیں گے۔ کیونکہ دینی تعلیم اور دینی تربیت میں تمام حقوق العباد کی تعلیم ہوتی ہے جس کے پاس حقوق کا علم ہو گا اور اس پر عمل کرے گا تو اس کی جانب سے کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہو گا۔ غرض اس طرح ہر مسلمان اگر اپنی اپنی اولاد کو دینی

تعلیم دلائے گا اور دین کے مطابق اخلاقی تربیت کرے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ باہمی جھگڑا اردنما ہو یا اختلاف کی صورت پیدا ہو۔

لیکن افسوس کہ جب سے اولاد کو دینی تعلیم دینا اور دینی طریقہ سے اس کی تربیت کرنا ہمارے ہاں بند ہو گیا ہے باپ بیٹے، شوہر بیوی، ماں بیٹے، بھائی بھائی کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے ہیں جھگڑے اور فسادات شروع ہو گئے نہ بیوی شوہر کی اطاعت کرتی ہے نہ شوہر بیوی سے پیار و محبت اور سلیقہ سے پیش آتا ہے باپ بیٹے کے حقوق ادا نہیں کرتا اور نہ بیٹے ماں باپ کے حقوق کی پرواکرتے ہیں بسا اوقات ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں پھر جو گھر دینی علوم کی برکت سے جنّت کا نمونہ بن سکتا تھا بصورت دیگر جہنم کا نقشہ پیش کرتا نظر آتا ہے۔ اس پر ہی بس نہیں جبکہ اولاد کو دینی تعلیم و تربیت نہ دینے کا وبال تو آخرت تک باقی رہے گا جن لوگوں نے اپنی اولاد کو دین اور دین کی تعلیم میں نہیں لگایا ان سے آخرت میں مسئولیت ہو گی۔ گویا اپنے متعلق سوال ہو گا کہ دین اور دین کا علم حاصل کیا تھا یا نہیں اور اس پر عمل کیا تھا یا نہیں؟ پھر اسی طرح کہ ان کو قرآن کا علم اور دین کے علوم میں لگایا تھا یا نہیں۔ اولاد کے بارے میں بھی سوال ہو گا۔ معقول جواب نہ دینے پر والدین کو ڈبل عذاب دیا جائے گا اور یہ سب کچھ دین اور دینی تعلیم کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ ہمیں کم از کم اب تو ہوش میں آجانا چاہیئے کہ اپنی اولاد کی دینی تعلیم اور دینی اخلاق و تربیت کی طرف توجہ دینے کی فکر کریں جس سے دنیوی زندگی بہتر بن جائے گی اور آخرت کی زندگی بھی کامیاب رہے گی نہ دنیا میں پریشانی ہو گی نہ آخرت میں کوئی مسئولیت اور عذاب کا خطرہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین کی سمجھ عطا فرمائے۔

اولاد کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ

واضح رہے کہ تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ والدین کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کریں، پیار و محبت سے ان کو بلائیں، سمجھانا ہو تو پیار و محبت سے سمجھائیں، ان کے کھانے، پینے، لباس وغیرہ میں حسب استطاعت برابری اور انصاف کے ساتھ کام لیں، تمام اولاد کو برابری کی نگاہ سے دیکھیں، بچے اور بچیوں میں عموماً جس طرح فرق کرتے ہیں وہ فرق نہ کریں جس طرح لڑکیوں کو عموماً ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے بوجھ نہ سمجھیں، اسلام سے قبل دور جاہلیت کی طرح آج بھی بہت سے علاقوں اور طبقوں میں لڑکی پیدا ہونے کو ایک بوجھ محسوس کیا جاتا ہے۔ لڑکی پیدا ہونے پر گھر میں خوشی کے بجائے افسردگی اور غمی کا احساس پایا جاتا ہے۔ راقم الحروف نے بعض دیندار گھرانوں میں بھی ایسی چیزیں دیکھیں جو ناقابل بیان ہیں ایام جاہلیت اور موجودہ دور میں اتنا فرق نظر آتا ہے کہ اس زمانہ میں لڑکیاں پیدا ہونے کو باعث عار سمجھ کر بعض شقی القلب لوگ ان کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور اب ان کو زندہ دفن تو نہیں کیا جاتا البتہ ماں باپ ان کو اس طرح کے طعنے دیتے ہیں جس سے ان کا عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا ہے اور خود بھی ماں باپ احساس کمتری کا شکار رہتے ہیں اور یہ سب غریب اور نادار لوگ تو اپنی غربت کی وجہ سے اور بعض امیر اپنے تکبر و غرور میں فرق آنے کی وجہ سے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے امور سے سب مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو متعدد جگہوں میں ذکر فرمایا اور اس کی مذمت فرمائی۔ اس واسطے ہر آدمی کو چاہیے کہ بچوں اور بچیوں میں فرق نہ کرے۔ استطاعت کی حد تک ان کو دینی تعلیم دلائے خواہ دنیوی تعلیم دلائے یا نہ دلائے اس واسطے کہ جس نے بلا امتیاز اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلائی اور ان کی دینی تربیت کی اور ان سے حسن سلوک

اور اچھا برتاؤ کیا خاص طور پر لڑکیوں کے کھانے پینے، لباس گفتگو وغیرہ میں لڑکوں کے ساتھ برابری کی، انصاف اور عدل سے کام لیا اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔

○ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے اسے کوئی تکلیف نہیں دی اور نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کیا اور نہ ہی لڑکوں کو لڑکیوں کے مقابلہ میں کسی معاملہ میں ترجیح دی اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنی لڑکی کی اچھی تربیت کرنے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی بدولت جنت نصیب فرمائے گا۔ (مسند احمد، حاکم)

تشریح: حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کو لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں سے حسن سلوک کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔ ایسا برتاؤ ہرگز نہیں کرنا چاہیئے کہ لڑکیاں احساس کمتری میں مبتلا ہوجائیں یا ان کو ذہنی طور پر کوئی تکلیف پہنچے۔ اگر ایسا کیا گیا تو آخرت میں والدین سے مسئولیت ہوگی اور اس پر بھی ناانصافی کی بنا پر عذاب ہوگا۔

○ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ:

جو والدین لڑکیوں کی وجہ سے تکلیف اور مصیبت اٹھا رہے ہیں اور تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے انہوں نے لڑکیوں پر زیادتی نہیں کی، ان کو برا نہیں جانا ان کو لڑکی پیدا ہونے کا طعنہ نہیں دیا اور ممکن حد تک ان کو دینی تعلیم و تربیت دی اور ان کی وجہ سے پریشانیاں اٹھائی ہیں اور اٹھا رہے ہیں تو ایسی لڑکیاں والدین کو جنت میں داخل کرنے کا باعث بنیں گی۔

○ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے اور بندی پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا اور ان کے ساتھ

اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔
(مسند احمد، حاکم)

تشریح: ماں باپ نے اگر اپنی بیٹیوں کی صحیح تربیت کی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا ان کو کسی قسم کی جسمانی یا ذہنی ایذاء نہیں دی تو ماں باپ کو اگر گناہ کی وجہ سے جہنم میں جانا پڑے تو اللہ تعالیٰ ان بیٹیوں کو دینی تعلیم دینے اور ان کی صحیح تربیت کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بدولت ماں باپ کو جہنم کا ایندھن بننے کے بجائے جنت میں داخل کر دیں گے۔

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ دو بیٹیوں کا بار اٹھائے، ان کی اچھی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ سنِ بلوغ کو پہنچ جائیں تو یہ بندہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے جس طرح دو انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوتی ہیں پھر آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔ (مسلم شریف)

تشریح: معلوم ہوا کہ لڑکے کے بوجھ اور اس کی تربیت کے مقابلہ میں لڑکی کا بوجھ اٹھانے اور اس کی تربیت کرنے میں زیادہ اجر ہے۔ چنانچہ لڑکیوں کی اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح پرورش کرنے والوں اور ان کو بوجھ نہ سمجھنے والوں کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت یعنی آپ کے ساتھ جنت میں رہنا نصیب ہوگا۔

○ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو ہی بیٹیوں یا بہنوں کا بار اٹھایا پھر ان کا نکاح بھی کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کے لئے جنت کا فیصلہ ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد)

تشریح: حدیث سے ظاہر ہوا کہ لڑکیوں کو دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت دے کر ان کی اچھی پرورش کرنے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کی بجائے حسنِ سلوک کرکے ان کی مناسب جگہ شادی کر دینا والدین کی ذمہ داری ہے جن والدین نے ان کو پورا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے جنت میں اپنے ساتھ رہنے کے فیصلہ کا اعلان فرمایا اور یہ ایسا اٹل فیصلہ ہے جس میں کسی قسم کا تخلف اور بدعہدی کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

○ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بیٹی کو شفقت و محبت سے دیکھنا بہت بڑی نیکی ہے جو باپ کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا جب تم اولاد میں کوئی چیز تقسیم کرنا چاہو تو پہلے بیٹیوں کو دو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان سے نرمی فرمائی ہے۔ (کنز العمال)

تشریح: حدیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیٹیوں سے محبت اور ان کی دلجوئی کی بڑی اہمیت ہے اور یہی اسلامی تعلیم ہے کہ بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو زیادہ محبوب رکھنے کا حکم ہے اور کوئی چیز دیتے وقت بیٹیوں کو پہلے دینے کا حکم ہے کیونکہ یہ صنف نازک ہے ان کی طبیعت بہت ہی حساس، نرم اور قابلِ تاثیر ہوتی ہے۔ معمولی چیز سے بہت خوش ہو جاتی ہے اور معمولی چیز سے بہت ناراض ہو جاتی ہے ان میں تحمل کی قوت بہت ہی کم ہوتی ہے اسی واسطے شریعت نے یہ حکم دیا کہ پہلے بیٹیوں کا خیال کرو تاکہ بیٹوں کو پہلے دینے پر وہ رنجیدہ نہ ہو جائیں۔

○ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم لوگ اپنی اولاد میں عدل و انصاف کرو اور سب کے ساتھ برابری اور مساوات کا سلوک کرو یہاں تک کہ اگر ایک کو بوسہ دو تو دوسرے کو بھی بوسہ دو۔ (کنز العمال)

تشریح: حدیث میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے ساتھ عدل وانصاف اور برابری کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے ماں باپ اور سرپرستوں کو چاہیئے کہ بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو کم تر نہ جانیں اور ان سے ایسا کوئی معاملہ اور برتاؤ نہ کریں جس سے وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوں۔

○ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنّت کا ایک دروازہ ایسا ہے جس سے وہ لوگ داخل ہوں گے جو اپنے بچوں کو خوش رکھتے ہیں اور اس دروازہ کا نام "باب الفرح" (خوشی کا دروازہ) ہے۔ (کنزالعمال)

○ ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا بچّہ رویا اور اس نے پیار و محبّت سے بہلا کر اسے خاموش کرادیا تو اللہ تعالےٰ اس کے ثواب میں اسے جنّت عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ جنّت میں جاکر خوش ہو جائے گا۔ (کنزالعمال)

تشریح: احادیث مذکورہ کا مطلب بالکل واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں، البتہ اتنی وضاحت ضروری ہے کہ حکم شریعت کے مطابق اور پیار و محبت سے پیش آنا اگرچہ معمولی بات نہیں ہے بلکہ بہت بڑا اجر و ثواب ہے یعنی تنہا یہ عمل ایسا ہے کہ دخولِ جنّت کا سبب بن سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہ لیا جاوے کہ بس بچّوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے سے جنّت تو مل جائے گی اور کوئی شرعی فرض ادا کرنے کی ضرورت نہیں دین کے تمام فرائض کو توڑتے جاؤ! اور تمام برائیوں کو کرتے جاؤ اس لئے کہ ہر نیکی جس طرح اپنے اجر و ثواب کے اعتبار سے ایک قوت رکھتی ہے تو ہر معصیت اور گناہ بھی عذاب اور سزا کے لحاظ سے ایک علیحدہ تاثیر رکھتا ہے مثلاً حدیث میں ہے جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے وہ جہنّم میں جائے گا زکوٰۃ اور صدقات خیرات نہ کرنے والا بخیل ہے اور وہ جہنم میں جائے گا۔

سود دینے والا جہنّم میں جائے گا تو جتنے گناہ کبیرہ انسان کرتا ہے ہر گناہ میں اتنی تاثیر ہے کہ وہ جہنّم میں جانے کا سبب بن سکتا ہے خواہ اس نے تمام نیکیاں بھی کیوں نہ کرڈالی ہوں اِلاّ یہ کہ گناہ کرنے والے نے صدق دل سے توبہ کرلی ہو اور اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہو اسی طرح سے سمجھ لیجئے کہ ہر نیکی میں ایک تاثیر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن سلوک کرنے کی تاثیر بھی اتنی قوی ہے کہ اگر انسان کے پاس اور کوئی بھی نیکی نہیں ہے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کے دوسرے گناہ معاف کرکے تنہا اس نیکی کی بدولت اسے جنّت دے سکتا ہے۔

اولاد کی اخلاقی تربیّت پر مخصوص توجہ کی ضرورت ہے

اولاد کی تربیت میں آج کل ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اخلاقی تربیت پر قطعاً دھیان نہیں دیا جاتا یعنی اولاد کی رفتار و گفتار کیسی ہے اور ان کا اٹھنا بیٹھنا کیسے لڑکوں کے ساتھ ہے اس کا تو بالکل خیال نہیں کیا جاتا حالانکہ معاشرہ اور سوسائٹی اور مجلسی ساتھیوں کے اثرات ضرور ایک دوسرے پر پڑتے ہیں اگر اولاد کا اٹھنا بیٹھنا اچھے اخلاق والے لڑکوں کے ساتھ ہوگا تو اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ برے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بُرے اخلاق پیدا ہوتے ہیں مثلاً ایک لڑکا نمازی ہے اس کی رفتار و گفتار میں سکون اور وقار ہے، بڑوں سے ادب و احترام سے ملتا ہے ساتھیوں سے سلام و دعا کے ساتھ پیش آتا ہے تو اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا لڑکا اٹھے بیٹھے گا تو اس کے دل میں بھی نماز کی رغبت پیدا ہوگی بڑوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے اور ساتھیوں سے سلام و دعا سے پیش آنے کے اثرات پیدا ہوں گے۔

اسی طرح اگر ایک لڑکا کھیل کا عادی ہے تو جو لڑکا اس کے ساتھ اٹھے بیٹھے

گا وہ بھی کھیل کا عادی بنے گا بلکہ اگر تاجر کے لڑکے سے اٹھنا بیٹھنا ہوگا تو اس کے ذہن میں تجارت کے اثرات پیدا ہوں گے اگر کسی عہدہ دار کے لڑکے کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوگا تو دوسرے لڑکے کے اندر عہدہ دار کے لڑکے کے اثرات پیدا ہوں گے اور اگر کوئی بدمعاش اور بدچلن لڑکے کے ساتھ چلے گا تو دوسرا لڑکا بھی بدمعاش اور بدچلن بنے گا۔

اسی واسطے والدین کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اولاد کی روش کی نگرانی کریں اور کن لڑکوں اور لوگوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے اس کو دیکھا کریں بدچلن لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے ان کو روکیں اور حکمت سے سمجھائیں۔ مخرّب اخلاق لڑکوں کے ساتھ چلنے پھرنے کی اجازت قطعًا نہ دیں، اگر شروع ہی سے اس کا خیال نہیں کیا گیا تو جب اولاد کو بدچلنی کی عادت پڑ جائے گی تو پھر اس کی اصلاح کرنے میں خاصی دشواریاں پیدا ہوں گی بعض ناقابل اصلاح عادات و برے اخلاق پیدا ہونے کی وجہ سے زندگی معاشرے اور سب عزیز و اقارب کے لئے دردسر اور وبالِ جان بن کر رہے گا اس لئے اپنی اولاد کو بدکردار اور اوباش لڑکوں کی صحبت سے حتی الامکان بچانا انتہائی ضروری ہے۔

اولاد کی بے راہ روی اور اخلاقی خرابی کے چند اسباب

بچوں کے اخلاقی انحراف اور بے راہ روی کے بہت سے اسباب ہیں۔ یہاں بطور مثال چند ذکر کر دینا مناسب ہوگا تاکہ تربیتِ اولاد کے سلسلہ میں غور و فکر میں کام دے سکیں۔

○ بچوں کو بُرے ساتھیوں سے ملنے کی آزادی دے دینا، بچوں کی نگرانی نہ کرنا اور باز پرس نہ کرنا۔

○ بچوں کو تعلیم و تربیت کے مقابلہ میں زیادہ تر اوقات کھیل کود میں صرف کر دینے کا موقع دینا۔

○ بچوں کو فلمیں دیکھنے میں اپنے ساتھ شریک کرنا خصوصاً مخرب اخلاق فلمیں دیکھنے کی اجازت دینا کیونکہ جو آزادی اور بے حیائی فلمی عورتوں اور مردوں میں عموماً ہوتی ہے بچوں میں ان چیزوں کا منتقل ہونا قرین قیاس ہے فلموں کے دیکھنے سے کتنے ہی بڑی عمر کے لوگ بگڑے ہوئے ہیں تو معصوم بچوں کا بگڑنا بالکل ظاہر ہے ایسے ماں باپ کو احساس تک نہیں ہوتا کہ بچے بگڑتے جا رہے ہیں اور ماں باپ خود اپنے ہاتھوں سے ان کے اخلاق کو خراب کر رہے ہیں۔

○ موجودہ زمانہ میں فحش اور مخرب اخلاق فلمیں دیکھنے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہیں، ماں باپ نے گھر ہی کے اندر اس کا انتظام کر رکھا ہے۔ چنانچہ ٹی وی، وی سی آر اکثر گھروں میں موجود ہیں ظاہر بات ہے جب ماں باپ نے اپنے معصوم اور صاف ذہن کے بچوں کو ان کے جذبات بھڑکانے والی گندی فلمیں اور عریاں و نیم عریاں مرد و عورتوں کی فحش حرکات پر مشتمل ڈرامے دیکھنے اور دکھانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ وہ بچے کیسے اچھے اخلاق کی تعلیم پائیں گے اور کس طرح بہترین اور اچھے اخلاق کے مالک بنیں گے۔

○ گھر میں فحش رسالے اور کتابچے اور ڈائجسٹ رکھنا یا بچوں کو ایسے حیا سوز کتابوں یا رسالوں کے مطالعہ کی اجازت دینا۔

○ تعلیم گاہوں میں تعلیم پانے والے بچوں اور بچیوں کو آزاد چھوڑ دینا راستے میں یا تعلیم گاہوں میں غلط روش کے لڑکوں کو لڑکیوں سے دور رکھنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ ان کے باہم ملنے ملانے کو برا نہ جاننا بچوں اور بچیوں میں برائی پھیلنے کا ایک اہم سبب ہے کہ تعلیم گاہوں میں دونوں کا اختلاط ہوتا ہے، بے شمار برائیاں اور فسادات اسی سے پھیلتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ہدایت دے اور ان باتوں کی سمجھ عطا فرمائے۔

○ شروع سے اور جب تک بچے اور بچیاں تعلیم و تربیت سے آراستہ نہ ہوں ان کی کتابوں اور الماریوں اور بکسوں پر نگاہ رکھنا چاہیئے کہ کہیں غلط لڑکے یا لڑکیوں سے خط و کتابت، ناجائز عشقیہ ملاقات کا سلسلہ تو نہیں ہے دوسرے لڑکے یا لڑکیوں کی تصاویر تو نہیں رکھے ہوئے ہیں۔ فحش اور گندے رسالے اور کتابیں پڑھنے کی عادت تو نہیں پیدا ہو گئی ہے۔

غرض ماں باپ کو اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ان سب باتوں کی طرف توجہ دینا چاہیئے تاکہ شروع ہی سے اخلاقی نگرانی ہو سکے، سمجھانے ڈانٹنے پر ہی ان کی اصلاح ہو سکے ورنہ بڑے ہونے کے بعد نہ سمجھانا مفید ہو گا نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ بلکہ بعض دفعہ الٹا اثر ہونے لگتا ہے۔

○ بچوں کے دل بہلانے کے واسطے گانے بجانے کا سامان خرید کر دینا یا خریدنے کی اجازت دینا یہ چیزیں بھی اخلاق بگاڑنے کا ذریعہ بنتی ہیں اس لئے ماں باپ کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے جبکہ یہ چیزیں آدمی کے اندر سے دینی جذبے کو ختم کرنے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔

گانے بجانے کی ممانعت

○ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
علیہ وسلم قال ان اللہ	کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے
عزّ وجلّ بعثنی رحمۃ	لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے

وھدًی للعالمین۔ وأمرنی ان أمحق المزامیر والمعازف والخمور والأوثان التی تعبد فی الجاھلیۃ۔ (مسند احمد)	اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں بانسریوں، گانے بجانے کے آلات، شراب اور ان بتوں کو ختم کروں اور مٹادوں جن کی زمانہ جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی۔

○ ایک دوسری حدیث میں ہے:

عن أبی موسیٰ الأشعری رضی اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استمع الی صوت غناء لم یؤذن لہ ان یستمع صوت الروحانیین فی الجنۃ (ترمذی)	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص گانے بجانے کی آواز سنتا ہے اسے اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ جنت میں روحانیین کی آواز سنے۔

اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکے، گانے بجانے سے خود بھی بچنا چاہیئے اور اپنے بچوں کی صحیح تربیت کے واسطے ان کو اس سے بچانا بہت ضروری ہے۔

بچوں کو زیادہ عیش وعشرت میں رکھنے کی ممانعت

انسان کو زیادہ عیش وعشرت کی زندگی نہیں گذارنا چاہیئے بلکہ ممکن حد تک سادگی کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اسی طرح بچوں کی صحیح پرورش کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کو کھانے پینے لباس غرض ہر چیز میں متوسط طریقہ پر زندگی گذارنے کا عادی بنایا جائے اس سے انسان کو کبھی تکلیف نہیں ہوتی، مشقت اور ناداری کے زمانے بھی اچھے گذر جاتے ہیں لیکن ابتدا ہی سے اگر بچے اچھے کھانے پینے اور زیادہ پیسے خرچ کرنے

کے عادی بن جائیں تو پھر کبھی اگر حالات میں تبدیلی آئی پیسے نہیں ہوئے، کاروبار نہیں رہا یا پہلے کے مقابلے میں خرچ میں کمی آگئی تو ایسے بچے یا تو احساس کمتری میں گھلتے رہیں گے یا چوری، خیانت اور دوسرے ناجائز طریقے سے پیسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے جو بہت ہی خطرناک اور فتنہ کا سبب بنے گا۔

اس بنا پر حدیث میں آیا ہے:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إیاکم والتنعّم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعّمین.	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ ناز و نعمت اور عیش و عشرت میں پڑنے سے بچو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے عیش و عشرت میں نہیں پڑتے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے جو بچے ناز و نعم اور عیش و عشرت میں پلتے ہیں وہ مجاہدہ کے عادی نہیں ہوتے ان کو محنت و مشقت کی عادت نہیں ہوتی۔ ایسے بچے بڑے ہو کر عبادت کی مشقت دین کے فرائض اور دوسری اہم ذمہ داریاں پوری کرنے کی کیسے تکلیف برداشت کریں گے؟! لہٰذا مجاہدہ اور مشقت نہ کرنے والے تمام فرائض اور ذمہ داریوں میں پیچھے رہ جائیں گے۔

بچوں میں پائی جانیوالی بُری عادتیں اور اُن سے پرہیز کی تدابیر

چونکہ انسان کا کمال اچھے اخلاق میں ہے اس لئے ہر شخص یہ کوشش کرے کہ اپنی اولاد کو اچھے اخلاق کی تربیت دے اور بُرے اخلاق سے جو کہ بعض طبعی طور پر اور بعض ماحول سے متاثر ہو کر پیدا ہو جاتے ہیں پاک کرنے کی کوشش کرے۔

واضح رہے کہ اچھے اخلاق بھی اپنے اثرات تب ہی دکھلاتے ہیں جب بُرے اخلاق

آدمی سے نکل جائیں ورنہ بعض اچھے اخلاق کی خوبیاں بھی بُرے اخلاق کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں اور اس کے اثرات نہ اپنے اوپر ظاہر ہوتے ہیں نہ دوسروں پر۔ اس واسطے بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ماں باپ اور اساتذہ کو یہ ضرور خیال رکھنا چاہیئے کہ بچوں میں بُرے اخلاق نہ پیدا ہونے دیں اور اگر کسی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں تو سب سے پہلے ان کو دور کرنے کی سعی کریں۔ بچوں میں جو بری عادتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔

جھوٹ بولنے کی عادت

بچے کو اگر شروع سے جھوٹ بولنے کی عادت پڑ جائے تو بڑا ہو جانے کے بعد چھڑانا بہت دشوار ہوتا ہے اس واسطے ابتدا ہی سے اس کو چھڑانے کی سعی کی جائے تاکہ بڑے ہو جانے کے بعد جھوٹ کی بیماری اور اس کی نحوست سے جان بچ جائے اور بے شمار خرابیوں اور فتنوں کی جڑیں یہیں ختم ہو جائیں۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں جھوٹ کو منافقین کی علامات اور خصلتوں میں سے شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

أربع من كنّ فيه	جس آدمی میں چار باتیں ہوں گی وہ پکا منافق
كان منافقا خالصًا	ہوگا اور جس میں ان چار میں سے ایک بات
ومن كان فيه	ہو گی تو اس میں نفاق کی خصلتوں میں سے
خصلة منهنّ كان	ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے
فيه خصلة من	چھوڑ نہ دے (اور وہ چار باتیں یہ ہیں کہ)
النفاق حتى يدعها	جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو
اذا أوتمن خان	اس میں خیانت کرے، جب گفتگو کرے

واذاحدث کذب واذا	تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو
عاھد غدر واذا خاصم	اس کی خلاف ورزی کرے اور جب
فجر. (بخاری، مسلم)	کسی سے جھگڑے تو فحش گوئی کرے۔

تشریح: حدیث شریف کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خیانت، جھوٹ، وعدہ خلافی، فحش گوئی ایسی سنگین برائیاں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک برائی بھی کسی شخص میں موجود ہو تو نفاق والا بن جاتا ہے اور جس میں جتنی برائیاں زیادہ ہوں گی وہ اتنا ہی بڑا منافق ہوگا۔

چنانچہ دوسری حدیث میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ	سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم ایاکم والکذب	وسلم نے فرمایا کہ تم جھوٹ سے بچو اس لئے
فان الکذب یھدی الی الفجور	کہ جھوٹ برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور
وان الفجور یھدی الی النار	برائیاں جہنم کی آگ تک لے جاتی ہے
ومایزال العبد یکذب	اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ
ویتحری الکذب حتی یکتب	بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ
عند اللہ کذابا. (بخاری ومسلم)	تعالیٰ کے ہاں وہ "جھوٹا" لکھ دیا جاتا ہے۔

تشریح: حدیث پاک میں بتلایا گیا ہے کہ آدمی کو ہر حال میں جھوٹ سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ جھوٹ بولنے والے ہر آدمی کو بے شمار برائیوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہی برائیاں جہنم میں جانے کا سبب بنتی ہیں پھر جھوٹ بولنے کا ایک خطرناک نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو جب اس کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ سچائی کی طرف نہیں آتا بلکہ ہمیشہ جھوٹ ہی بولنے کی کوشش کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اللہ

جل شانہ کے ہاں اس آدمی کو "جھوٹا" لکھ دیا جاتا ہے یعنی ایک طرح اس پر جھوٹ کی لعنت کی مہر لگ جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد اگر سچائی کی طرف لوٹنا بھی چاہے تو نہیں لوٹ سکتا اور اسی پر زندگی گذر جاتی ہے اور اپنا انجام خراب کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

دیکھئے! جھوٹ کتنی بُری چیز ہے اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے:

عن سفیان بن أسید الحضرمی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کبرت خیانۃ ان تحدث أخاك حدیثا هو لك مصدق وانت له به كاذب (ابوداؤد)

سفیان بن اُسید حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ سب سے بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کرو اور وہ اس میں تمہیں سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔

مطلب یہ کہ بات کرنے والا جھوٹ بول رہا ہے اور سننے والا اس کو سچا سمجھتے ہوئے اس پر یقین کر لیتا ہے تو اس میں جھوٹ بھی ہے اور خیانت و فریب بھی ہے گناہ پر گناہ ہے اس واسطے آدمی کو خود بھی جھوٹ بولنے کی لعنت سے بچنا چاہیئے اور اپنی اولاد اور اپنے تمام متعلقین کو بھی جھوٹ کی لعنت سے محفوظ رکھنے کی سعی کرنا چاہیئے۔

جھُوٹ سے بچنے کی تدبیر

بچوں کو جھوٹ اور خیانت سے دور رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ ان کے سامنے سچائی اور صداقت کی باتیں بیان کریں اور اس کے دنیوی و اُخروی فوائد ذہن نشین کرائیں اور جھوٹ کی بُرائیاں بیان کریں اور اس کے ظاہری و باطنی نقصانات کو واضح کریں۔

ماں باپ اولاد سے اور استاد و معلم اپنے زیر تربیت بچوں اور طلباء سے کبھی بھی ایسی بات نہ کریں جس میں جھوٹ شامل ہو۔ حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اگر بچوں سے یہ کہے کہ یہاں آؤ اور یہ چیز لے لو اور ہاتھ سے اشارہ کر کے یہ ظاہر کرے کہ ہاتھ میں کچھ ہے جو انہیں دینا چاہتا ہے پھر جب بچے آ جائیں اور کچھ نہ دے خالی ہاتھ واپس کر دے یہ بھی جھوٹ اور خیانت ہے۔ اس واسطے بچوں کو جھوٹ سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنا والدین اور سرپرستوں کے ذمہ ضروری ہے۔

چھوٹی موٹی چیزوں کی چرانے کی عادت

بچوں میں گھر میں والدین سے چوری چھپے کھانے پینے کی چیزیں یا بعض دوسری ایسی چیزیں جو انہیں پسند آتی ہیں کھیل کی نیت سے بلا پوچھے اٹھا لینے کی عادت ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ضرورت کی اور اہم چیزیں کیوں نہ ہوں بچے انہیں والدین یا گھر کے افراد سے چھپا کر یا تو ضائع کر دیتے ہیں یا پھر کسی دوسری معمولی چیز کے عوض دوسرے بچوں کو دے دیتے ہیں اس طرح بعض دفعہ والدین اور گھر کے سرپرستوں کو اس سے بے شمار پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔

اس واسطے والدین کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کو جہاں تک ممکن ہو گھر سے چوری چھپے آنکھ بچا کر چیزیں اٹھانے سے منع کریں۔ اپنے گھر کے علاوہ دوسروں کی چیزیں اٹھانے کی قباحت اور نقصانات ان کے سامنے بیان کریں اور دنیوی اور دینوی نقصانات کے علاوہ آخرت کا خوف دلائیں تاکہ بچپن ہی سے چوری کی قباحتیں ان کے دل میں اتر جائیں اور بڑے ہو کر دوسروں کی چیزیں چرانے کی ہمت نہ کریں۔

ہمارے معاشرہ میں چوری اور ڈاکے کی واردات کثرت سے ہوتی ہیں اور اچھے خاصے پڑھے لکھے اس میں ملوث پائے جاتے ہیں سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ

بڑے ہو کر ایک دم چور اور ڈاکو تو نہیں بن جاتے بلکہ دراصل ابتدا سے ان کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے بچپن ہی سے انہیں چوری کی عادت پڑی ہوئی ہوتی ہے اور یہ آگے چل کر ترقی کر جاتی ہے اور جن علاقوں میں چوروں ڈاکوؤں کی کثرت ہوتی ہے اس کی وجہ یقیناً یہی سامنے آئے گی کہ کئی نسلوں سے وہاں کی اکثریت صحیح دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت سے محروم رہی جس کے سبب وہ لوگ بے راہ روی کی زندگی گذارتے رہے اس غلط روش کی وجہ سے ان میں بُرے اخلاق کا غلبہ ہو گیا اور اب وہ اس راہ پر چل پڑے ہیں۔

غرض یہ کہ جو بچے ابتداً بچپن میں چوری، خیانت، دھوکہ کے عادی ہو گئے تھے رفتہ رفتہ ان میں ڈاکے اور نقب زنی اور بڑی سے بڑی واردات کی جرأت بھی پیدا ہو گئی۔ اس واسطے اولاد کی تربیت اس طرح کرنی چاہیئے کہ یہ بچے آگے چل کر چور، ڈاکو خائن وغیرہ نہ بننے پائیں لہٰذا چوری، ڈاکہ زنی اور دوسری برائیوں کے خاتمہ کے لئے جہاں قوانینِ اسلام کی تنفیذ کی ضرورت ہے وہاں زیادہ ضرورت دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کی ہے اس لئے کہ آج اگر فوری طور پر اسلامی قانون نافذ بھی ہو جائے تو اس سے ایسا نہیں ہوگا کہ سب چوریاں بند ہو جائیں گی اور ڈاکے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا کیونکہ قانون کی حکمرانی تو عدالتوں میں ہو گی قانون نافذ کرانے والے اداروں میں ہو گی اور قانون کے محافظ فوج، پولیس، سی آئی اے کے افراد اپنی اپنی حدود میں قانون کی بالادستی قائم رکھنے کی کوشش کریں گے لیکن لوگوں کے دلوں پر حکمرانی جب تک بُرے لوگوں اور بُرے جماعت، بُری سوسائٹی اور بدی کی قوتوں کی رہے گی اس وقت تک اسلامی قانون کے باوجود موجودہ ساری برائیاں قائم رہیں گی البتہ قانونِ اسلام کے نفاذ کے بعد فوری طور پر اتنا ہوگا کہ ان برائیوں کا تناسب پہلے کے مقابلے میں کم ہو جائے گا۔ قوانینِ اسلام کے نفاذ سے قبل جس طرح بے خوف وخطر یہ لوگ برائیاں کرتے تھے

اب اس طرح نہیں کریں گے قانونی گرفت کا خوف ہوگا جب بھی موقع ملے گا فسادی عناصر برائیوں سے نہیں رکیں گے لیکن اسلامی قانون حکومت کی سطح پر نافذ نہ بھی ہو تب بھی انشاء اللہ تعالیٰ موجودہ نسل میں برائیوں سے اجتناب کا رجحان بڑی تیزی کے ساتھ پیدا ہوگا جو رفتہ رفتہ معاشرہ سے تمام برائیوں کا قلع قمع کرنے کا ذریعہ بنے گا۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے یہ مثال لے لیجئے کہ ہمارے معاشرہ میں دودھ میں پانی اور الا بلا ملا کر فروخت کرنے کی چوری اور خیانت دودھ فروشوں میں عام ہوگئی ہے۔ کھلے بندوں دودھ میں پانی اور پاؤڈر وغیرہ ملایا جا رہا ہے اس میں کسی قسم کی حیا و شرم محسوس نہیں کی جاتی نہ ہی قانونی گرفت کا خوف ہوتا ہے۔ بالفرض اس چوری اور خیانت کو اگر قانوناً نا قابل معافی اور قابل سزا جرم قرار دیا جائے گا تب بھی جب تک لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف اور آخرت کے مواخذہ کا احساس پیدا نہیں ہوگا چوری کرنے والے اس سے باز نہیں آئیں گے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ قانون سے بچنے کی سعی کریں گے قانونی مواخذہ سے بچاؤ کی خاطر چوری، خیانت، دھوکہ کا ارتکاب لوگ عام طور پر اور ظاہر و باہر نہیں کریں گے لیکن پھر بھی اکثریت کا دل جب چور بن چکا ہے اور عادت چوری اور ڈاکے، خیانت اور دھوکہ کی پڑ چکی ہے تو جب تک دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کے ذریعہ خوف خدا کا احساس پیدا نہیں ہوتا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے اثرات لوگوں کے دلوں میں ظاہر نہیں ہوتے اس وقت تک نہایت ہی چالاکی کے ساتھ قانون سے بچتے ہوئے چور چوری کرے گا، ڈاکو ڈکیتی کرے گا دھوکہ باز، دھوکہ بازی اور خیانت کرنے سے باز نہیں آئے گا اور معاشرے سے کلی طور پر برائیاں ختم نہیں ہوں گی ملک اور قوم فتنے و فسادات سے محفوظ نہیں ہوں گے۔

لہٰذا ملک و قوم اور پورے معاشرہ کی اصلاح کرنی ہے اور اسے درست کرنا ہے تو آج ہی سے ہر فرد اپنی اولاد کی دینی تربیت و اخلاق کا اہتمام کرے اور بچپن

ہی سے ان میں تقویٰ اور خدا ترسی اور خوفِ آخرت جیسی بنیادی چیزیں پیدا کرنے کی سعی کرے۔ جب جا کر ہماری اور پوری قوم کی اصلاح ممکن ہے اس ضمن میں اس واقعہ کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک حکم نامہ کے ذریعہ لوگوں کو دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا تھا ایک عورت نے اپنی بیٹی سے کہا کہ دودھ میں پانی ملا دیا جائے تاکہ دودھ کی مقدار زیادہ ہو اور پیسے زیادہ ملیں لیکن اس کی صاف باطن ایماندار بچی نے اپنی ماں کو امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم نامہ کا یاد دلایا اور ماں کے اصرار پر کہا کہ چلو یہاں پر امیرالمومنین موجود نہیں اور وہ یہ نہیں دیکھ رہے اس کے مواخذہ سے تو ہم بچ جائیں گے لیکن ان کا اور ہمارا رب تو ہمیں دیکھ رہا ہے اس کے مواخذہ سے کیسے بچیں گے۔ دیکھئے! اس بچی کے دل میں تقویٰ اور خوفِ خدا موجود تھا اس کا اثر ظاہر ہوا تو اپنی والدہ کو بھی چوری سے دودھ میں پانی ملانے سے روکتی ہے۔

ایک دوسرا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوا کہ ایک چرواہا پہاڑی سے اتر کر ہماری طرف آیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جانتا نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آزمائش اور امتحان لینے کی غرض سے فرمایا کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری میرے ہاتھ فروخت کر دے۔ اس چرواہے نے کہا کہ میں غلام ہوں مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا تم اپنے آقا سے یہ کہہ دینا کہ ایک بکری کو بھیڑیا کھا گیا ہے اس پر چرواہے نے جواب دیا یہ تو ٹھیک ہے لیکن قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا وہ تو سب کچھ دیکھ رہا ہے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت روئے اور اس کے جواب پر خوش ہو کر اسے لے کر اس کے آقا کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے اس غلام کو خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا کہ

دنیا میں تجھے خوف خدا اور تقویٰ نے غلامی سے نجات دلائی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی تجھے آخرت میں بھی عذاب سے بچائیں گے۔

ان دونوں واقعات سے ظاہر ہوا کہ آدمی تمام برائیوں سے تبھی بچتا ہے جبکہ خوفِ خدا اور خوفِ آخرت اس کے دل میں ہو۔ لہٰذا بچپن ہی سے اگر بچوں کی تربیت اس طرح کی جائے کہ ان کے دلوں میں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کا احساس پیدا ہو جاوے تو انشاء اللہ چوری، خیانت اور جھوٹ جیسی برائیوں سے وہ ضرور پرہیز کریں گے یوں یہ بچے تقویٰ والا معاشرہ پیدا ہونے میں مددگار ثابت ہونگے۔

بچوں میں بدکلامی اور فحش گوئی کی عادت بھی ہوتی ہے

تیسری چیز یہ کہ ماحول اور معاشرہ کے بگاڑ کے سبب بچوں میں بدکلامی اور فحش گوئی کی عادت بھی پڑ جاتی ہے اس واسطے بچوں کی تربیت کی غرض سے جہاں تک ممکن ہو صاف ستھرے ماحول میں رہنے اور رہائش اختیار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے نیز ماں باپ اور دیگر سرپرستوں کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کے ساتھ بدکلامی اور فحش گوئی سے احتراز کریں کیونکہ وہ اگر ایسا نہیں کرتے تو ان کے دیکھا دیکھی جب بچے زبان کھولیں گے تو بدکلامی اور بدزبانی سیکھ جائیں گے اور جس طرح بڑوں کو آپس میں بدکلامی کرتے ہوئے دیکھیں گے وہ بھی آپس میں اسی طرح کی بدکلامی کریں گے۔ یہاں پر ایک لطیفہ کی بات یاد آگئی۔

کچھ عرصہ قبل راقم الحروف کا اپنے ایک پروفیسر دوست کے ہاں ملاقات کی غرض سے جانا ہوا وہ صاحب ایک یونیورسٹی میں استاد ہیں۔ ان کے تقریباً سب بچے اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہیں ایک بچہ تقریباً دس گیارہ سال کی عمر کا ہے۔ گھر میں بہت ہی شرارت کر رہا تھا باپ نے اس کو زبردستی پکڑا اور

ہمارے پاس لے آیا اور بندہ کی طرف اشارہ کرکے کہا "کہ یہ بہت بڑے مفتی اور مولانا ہیں ان کو سلام کرو" اس نے جواب میں کہا کیوں ؟ دوسرے لوگوں کو ہم تو سلام نہیں کرتے اس کو کیوں سلام کروں ؟ پروفیسر صاحب نے کہا یہ بڑے مولانا ہیں اس لئے اس کو سلام کرو۔ لڑکے نے جواب دیا کیا بڑے مولوی کو سلام کرنا پڑتا ہے؟ باپ نے کہا ہاں ! بچہ نے کہا میں نہیں کرتا۔ اس پر پروفیسر صاحب نے بچہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا خبیث بدتمیز کہیں کا بات نہیں مانتا۔ بچّہ نے کہا آپ خبیث اور بدتمیز ہیں اس پر باپ بہت غصّے ہوئے مارنا چاہا وہ بھاگا یوں وہ شرمندہ ہوکر بندہ کے سامنے افسوس ظاہر کرتا رہا کہ موجودہ زمانے کے بچے بہت ہی بدتمیز ہوتے ہیں۔

اس پر میں نے جواباً کئی باتیں عرض کیں۔

(۱) یہ کہ جناب ! آپ نے لڑکے کی تربیت نہیں کی اور اسے معلوم نہیں ہے کہ بڑوں کو سلام کرنا چاہیئے بے تربیت بچے کو آپ میرا تعارف کرا رہے ہیں کہ یہ بڑے عالم و مفتی ہیں جس کی تربیت ہی نہیں ہوئی جسے سلام کرنے کی تعلیم آپ نے نہیں دی اب وہ آپ کے کہنے پر کیوں سلام کرے گا اس کو تمیز کیسے آوے اسے تو نہ علم کا شعور ہے اور نہ عالم کا تو ایسے لڑکے کو یہ بتانا کہ یہ بڑے عالم ہیں اس کو سلام کرو یہ آپ کی غلطی ہے کیونکہ بچّہ کے سوال سے یہ ظاہر ہے کہ اس کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ کسی بڑے کو سلام کرنا چاہیئے، پھر وہ کیوں سلام کرے گا۔ مزید اس کو آپ نے یہ بھی تعلیم نہیں دی کہ باپ کا حکم ماننا چاہیئے اگر پہلے تعلیم نہیں دی گئی تو اسے کیا معلوم کہ باپ کے حکم کی تعمیل کرنا چاہیئے۔

(۲) پھر میں نے عرض کیا کہ آپ کی دوسری غلطی یہ ہے جب اس نے سلام کرنے سے انکار کیا ہے تو اس کو ڈانٹنے اور خبیث کہہ کر پکارنے کی جگہ اسے پیار اور محبت سے چھوڑ دینا چاہیئے تھا اور بعد میں یا اسی وقت سمجھا دینا چاہیئے تھا کہ بڑوں کو سلام کرنا چاہیئے اچھے لڑکے بڑوں کو سلام کیا کرتے ہیں لیکن آپ نے جب اسے خبیث

اور بدتمیز کہا تو اس کو غصّہ آگیا اس نے بھی انہی الفاظ میں آپ کو ڈانٹ دیا۔ کیا فائدہ ہوا نہ مقصد حاصل ہوا نہ بچے نے بات مانی الٹا بچے کی گالی سننی پڑی۔ باپ نے خبیث کہا بچے نے بھی باپ کو خبیث کہا۔

دیکھئے! اس واقعہ میں بچہ کے اندر بدکلامی کی عادت کہاں سے آئی باپ کی گفتگو سے۔ اس واسطے جہاں تک ممکن ہو گھر کے افراد کے درمیان جب گفتگو ہو تو بدکلامی اور بدزبانی سے احتراز کرنا چاہیئے۔ گندے الفاظ فحش گفتگو سے بچنا چاہیئے تاکہ اس کے برے اثرات بچوں پر نہ پڑیں یہ تو ماں باپ اور سرپرستوں کے گھرانے کی بات ہوئی پھر ماحول اور محلّہ کے بچے اگر صحیح نہیں ہیں تو اپنے بچّوں کو محلّہ کے بچوں کے ساتھ گلی کوچوں میں کھیلنے کے واسطے چھوڑ دینا یہ بھی غلط ہے کیونکہ بُرے ساتھیوں سے مل کر گندے الفاظ فحش گالیاں کان میں پڑتے پڑتے خود بھی اس طرح کہنا شروع کردے گا۔

اس واسطے ماں باپ اور سرپرستوں کو چاہیئے کہ کھیل کود کے لئے گھر کے احاطے میں انتظام کریں یا کم از کم اچھے اخلاق والے بچوں کی رفاقت کا التزام کریں اور ساتھ ساتھ بدکلامی بدزبانی، فحش گوئی کی برائیاں، ان کے سامنے بیان کریں اور ان کی قباحتیں کانوں میں ڈالتے رہیں تاکہ بچوں کو ابتدا ہی سے بدکلامی اور بدزبانی کرنے سے روکنے میں مدد ملے۔

بدزبانی اور گالم گلوچ کی برائی حدیث کی روشنی میں

○ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق	کسی مسلمان کو گالی دینا، فسق اور گناہ ہے اور اس سے لڑائی جھگڑا کرنا

وقتاله کفر (بخاری ومسلم) کفر ہے۔

○ دوسری حدیث میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إنّ من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه قيل يارسول الله كيف يلعن الرّجل والديه؟ قال يسبّ الرّجل أبا الرّجل فيسبّ أباه ويسبّ أمّه فيسبّ أمّه. (بخاری، مسلم)

کبیرہ گناہوں میں ایک کبیرہ گناہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین پر لعنت بھیجے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کس طرح بھیج سکتا ہے. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کسی کے والد کو گالی دے گا اور جب کوئی شخص دوسرے کی والد کو گالی دیتا ہے تو وہ دوسرا پہلے والے کے والد کو گالی دے گا گویا اس طرح اس نے دوسرے کے والدین کو گالی دے کر اپنے والدین کو گالیاں سنائی ہیں)۔

دیکھئے! گالی اور بدزبانی کا نتیجہ کیا نکلا ہے جب بچے بڑے ہوں گے تو اس کے عادی ہوں گے اور خود گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے اور دوسروں کو ایذا پہنچائیں گے اور اپنے والدین کو گالی سنائیں گے۔

اس واسطے اولاد اور بچوں کی تربیت اگر اس طرح ہو کہ وہ کسی سے بدکلامی نہ کریں تو ظاہر ہے وہ اچھے اخلاق کے مالک ہوں گے دوسرے کو گالیاں نہیں دیں گے نہ اپنے والدین کو گالیاں سنانے والے ہوں گے اور خود بھی بے شمار گناہوں سے بچ جائیں گے۔

○ ایک تیسری حدیث میں ہے:

ليس المؤمن بالطّعّان مومن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا نہ ہی

ولا اللّعّان ولا الفاحش ولا البذئ۔	لعنت کرنے والا ہوتا ہے اور نہ فحش گو ہوتا ہے اور نہ بے ہودہ باتیں کرنے والا ہوتا ہے۔
(جامع ترمذی ص ۱۸ ج ۱)	

جب مومن اور مومنہ ماں باپ کا یہ حال ہو گا کہ وہ بدزبانی، بدکلامی کرنے والے نہیں ہوں گے تو ظاہر ہے کہ ان کی اولاد بھی بدزبانی، بدکلامی کرنے والی نہیں ہو گی اور وہ تربیتِ اولاد کے ضمن میں اس کی کوشش کریں گے کہ ان کے بچے اچھے اور پیارے الفاظ بولیں۔

اس واسطے ماں باپ اور سرپرستوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے بدکلامی اور فحش گوئی سے احتراز کریں۔ پھر اپنی اولاد کو اس کی تربیت دیں کہ وہ شائستہ، صاف ستھرا بہترین الفاظ میں گفتگو کریں پھر اس کا اثر بھی اولاد پر ظاہر ہو گا

موجودہ زمانے میں بعض اساتذہ اور معلّمین کی بدزبانی اور فحش گوئی نہایت ہی افسوسناک ہے

بعض اداروں کے ذمہ دار اساتذہ اور معلمین اپنے طلبائ سے گفتگو کے دوران بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں خواہ مخواہ بلاضرورت بعض طلبار کو شیطان، خبیث، خنزیر، بدمعاش جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی برُے الفاظ استعمال کر دیتے ہیں جو کہ ان کے منصب کے لحاظ سے بالکل مناسب نہیں ہے۔

بالفرض اگر تعزیر اور ڈانٹنے کی غرض سے یہی الفاظ کہہ دیئے جائیں مزید تعزیر اور تادیب نہ ہو، پھر تو اگرچہ یہ طریقہ خلاف سنت اور مکروہ ہے لیکن تعزیر کی حد تک گنجائش ہو سکتی ہے لیکن انہیں الفاظ کو تکیہ کلام بنا لینا مذاق میں بھی یہی الفاظ کہنا اور طلبار کو کسی کام کے واسطے بلانا ہو تب بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کرنا بالکل ہی ناجائز

اور غلط ہے۔ آخر طلبار کی تربیت کیسی ہوگی۔ یہی طلبار آگے جاکر جب اساتذہ اور معلمین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں گے اس وقت اگر وہ انہی الفاظ کو اپنے طلبا کے لئے استعمال کریں گے اور اس طرح سلسلۂ جرم چلتا رہے گا تو اس کا گناہ کن لوگوں پر ہوگا سوچنا چاہیئے غور کرنا چاہیئے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی پر لعن طعن کرنے والے تھے نہ فحش گو نہ آپ ان چیزوں کو پسند فرماتے۔ (ترمذی)

ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت ہیں، ہمیں وہی اخلاق اختیار کرنا چاہیئے جو آپؐ نے اپنے امتی کے ساتھ اختیار کیا تھا اگر ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینے والے ہیں تربیت کرنے والے ہیں تو ہمارے اخلاق اور ہماری گفتگو بھی اچھے مسلمان اچھے استاد اور معلم کی ہونی چاہیئے۔

بچوں میں بُرے اور گندے اخلاق کی عادت

کم عمر کے بچے اور بچیاں معصوم ہوتے ہیں ان کی ہر ادا ہر عمل ہر بات میں معصومیت پائی جاتی ہے لیکن آج کل یہی بچے اور بچیاں کم عمری کے باوجود بعض گندی عادات اور بداخلاقیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ ماں باپ کی بے احتیاطی سے ان کی نگرانی نہیں ہوتی۔ صحیح نگرانی اور تربیت نہ ہونے کی وجہ سے بُرے لڑکے اور لڑکیوں کی صحبت میں بیٹھ کر یا ان سے ملنے جلنے کی وجہ سے بے راہ روی اور بے حیائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کی اصلاح بعد میں ہوتی نہیں یا بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔

اس واسطے والدین اور سرپرستوں کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کی پوری طرح نگرانی کریں اور تمام بُرے لڑکوں اور لڑکیوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع نہ دیں۔

ولا اللعّان ولا الفاحش ولا البذئ۔ لعنت کرنے والا ہوتا ہے اور نہ فحش گو ہوتا ہے اور نہ بے ہودہ باتیں کرنے والا ہوتا ہے۔
(جامع ترمذی ص ۱۸ ج ۱)

جب مومن اور مومنہ ماں باپ کا یہ حال ہوگا کہ وہ بدزبانی، بدکلامی کرنے والے نہیں ہوں گے تو ظاہر ہے کہ ان کی اولاد بھی بدزبانی، بدکلامی کرنے والی نہیں ہوگی اور وہ تربیتِ اولاد کے ضمن میں اس کی کوشش کریں گے کہ ان کے بچے اچھے اور پیارے الفاظ بولیں۔

اس واسطے ماں باپ اور سرپرستوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے بدکلامی اور فحش گوئی سے احتراز کریں۔ پھر اپنی اولاد کو اس کی تربیت دیں کہ وہ شائستہ، صاف ستھرا بہترین الفاظ میں گفتگو کریں پھر اس کا اثر بھی اولاد پر ظاہر ہوگا

موجودہ زمانے میں بعض اساتذہ اور معلّمین کی بدزبانی اور فحش گوئی نہایت ہی افسوسناک ہے

بعض اداروں کے ذمہ دار اساتذہ اور معلمین اپنے طلبائ سے گفتگو کے دوران بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں خواہ مخواہ بلاضرورت بعض طلبار کو شیطان، خبیث، خنزیر، بدمعاش جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بُرے الفاظ استعمال کر دیتے ہیں جو کہ ان کے منصب کے لحاظ سے بالکل مناسب نہیں ہے۔

بالفرض اگر تعزیر اور ڈانٹنے کی غرض سے یہی الفاظ کہہ دیئے جائیں مزید تعزیر اور تادیب نہ ہو، پھر تو اگرچہ یہ طریقہ خلاف سنت اور مکروہ ہے لیکن تعزیر کی حد تک گنجائش ہو سکتی ہے لیکن انہیں الفاظ کو تکیہ کلام بنا لینا مذاق میں بھی یہی الفاظ کہنا اور طلبار کو کسی کام کے واسطے بلانا ہو تب بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کرنا بالکل ہی ناجائز

اور غلط ہے ۔ آخر طلبار کی تربیت کیسی ہوگی ۔ یہی طلبار آگے جاکر جب اساتذہ اور معلمین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں گے اس وقت اگر وہ انہی الفاظ کو اپنے طلبا کے لئے استعمال کریں گے اور اس طرح سلسلۂ جرم چلتا رہے گا تو اس کا گناہ کن لوگوں پر ہوگا سوچنا چاہیئے غور کرنا چاہیئے ۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی پر لعن طعن کرنے والے تھے نہ فحش گو نہ آپ ان چیزوں کو پسند فرماتے ۔ (ترمذی)

ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت ہیں، ہمیں وہی اخلاق اختیار کرنا چاہیئے جو آپؐ نے اپنے امتی کے ساتھ اختیار کیا تھا اگر ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینے والے ہیں تربیت کرنے والے ہیں تو ہمارے اخلاق اور ہماری گفتگو بھی اچھے مسلمان اچھے استاد اور معلم کی ہونی چاہیئے ۔

بچوں میں بُرے اور گندے اخلاق کی عادت

کم عمر کے بچے اور بچیاں معصوم ہوتے ہیں ان کی ہر ادا ہر عمل ہر بات میں معصومیت پائی جاتی ہے لیکن آج کل یہی بچے اور بچیاں کم عمری کے باوجود بعض گندی عادات اور بداخلاقیوں کے شکار ہو جاتے ہیں ۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ ماں باپ کی بے احتیاطی سے ان کی نگرانی نہیں ہوتی ۔ صحیح نگرانی اور تربیت نہ ہونے کی وجہ سے بُرے لڑکے اور لڑکیوں کی صحبت میں بیٹھ کر یا ان سے ملنے جلنے کی وجہ سے بے راہ روی اور بے حیائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کی اصلاح بعد میں ہوتی نہیں یا بڑی مشکل سے ہوتی ہے ۔

اس واسطے والدین اور سرپرستوں کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کی پوری طرح نگرانی کریں اور تمام بُرے لڑکوں اور لڑکیوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع نہ دیں ۔

ریڈیو کے گندے پروگرام اور ٹیلیویژن وی سی آر کے اثرات

نیز اس وقت معاشرہ میں مجموعی طور پر تمام بچوں میں بد اخلاقیاں پھیلنے اور بری عادتیں پیدا کرنے والی چیزیں ٹیلیویژن، وی سی آر اور ریڈیو کے ناجائز پروگرام ہیں جن گھروں میں یہ لعنت کی چیزیں موجود ہیں ان کی اولاد میں بد اخلاقیاں اور بے حیائیاں پیدا ہو جانا تو بہت ہی آسان ہو گیا ہے باہر جانے کی ضرورت نہیں بڑے لڑکے اور لڑکیوں سے ملنے کی ضرورت نہیں ٹی وی اور وی سی آر میں ملاقات ہو جاتی ہے۔

ایسے حالات میں اساتذہ یا ماں باپ ہزار دفعہ اگر بچوں سے یہ کہیں اور انہیں سمجھائیں کہ بچو! بے حیائی اور برائیوں سے بچا کرو، بے حیائی کا ارتکاب مت کیا کرو کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور گانے مت سنو کیونکہ اس سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور خدا و رسول کی لعنت پڑتی ہے۔ گناہ اور ناجائز پروگرام مت دیکھا کرو تو ان باتوں سے بچوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے جبکہ ساری بد اخلاقیوں کی بنیاد تو ہم نے خود فراہم کر دی ہے۔

اس لئے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے یہی گذارش ہے کہ وہ اپنے اپنے گھروں سے ٹی وی، وی سی آر کی لعنت کو ختم کر دیں کیونکہ یہ چیزیں گناہ اور معصیت اور لعنت کے اسباب ہیں اور خدا و رسول کی ناراضگی اور دین سے دوری اور گمراہی کے سامان ہیں تمام علماء کرام اور مفتیان کرام کے نزدیک ٹیلیویژن اور وی سی آر موجودہ حالات میں ناجائز اور حرام ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

مسند احمد کے حوالہ سے حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسریوں اور گانے بجانے کے آلات، شراب اور ان بتوں کو ختم کر دوں جن کی زمانہ

جاہلیت میں پوجا ہوا کرتی تھی. نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گانے کی آواز سنتا ہے اسے اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ جنت میں روحانیین کی آواز سے۔ (ترمذی)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گانا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے.

احادیث مذکورہ بجا اوپر گذر چکی ہیں اور اس طرح کی بہت سی روایات و احادیث میں گانے بجانے اور بانسریوں کی ممانعت آئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دوسری برائیوں کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ گانے بجانے اور اس کے اسباب و آلات کو ختم کرنے کے واسطے بھی تھی۔ لہٰذا ہراس شخص پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یہ لازم ہے کہ گانے بجانے اور موجودہ دور کے موسیقی کے آلات و اسباب کو ختم کردے اور اپنے عزیز و اقارب کے پاس بھی یہ آلات ہیں تو اسے بھی مٹانے کی کوشش کرے. کیونکہ بے شمار بداخلاقیاں، بے حیائیاں انہی چیزوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں مثالیں دے کر سمجھانے کی ضرورت نہیں ہر آدمی اپنے گھر کے افراد اور بچوں کے حالات سے اس کا اندازہ کر سکتا ہے.

غرض بچوں کی تربیت کے ضمن میں ان کے اندر جو عام طور پر برائیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے چند موٹی موٹی چیزوں کی نشاندہی کی گئی ہے اگر دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ماں باپ اور ان کے سرپرست بچوں میں ان برائیوں پر نظر رکھیں گے اور بچوں کی ممکن حد تک نگرانی کریں گے تو انشاء اللہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ آئندہ جا کر یہی بچے جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے یوم پیدائش سے اچھے اخلاق اور اچھی صفات کا ملکہ ودیعت رکھا ہوا ہے ان میں اچھے اخلاق پیدا نہ ہوں اور ان میں اونچے اخلاق، اچھی صفات ظاہر نہ ہوں اور بچے بلند کردار، بہترین گفتار و چال چلن کے مالک نہ ہوں ۔

ہماری اولاد کی تعلیم اور موجودہ نصاب تعلیم

نیز یہ کہ ہمارے بچوں میں اخلاقی بگاڑ کی وجہ جہاں دینی تعلیم کی کمی اور اخلاقی تربیت کا فقدان ہے وہاں پر تیسری چیز ہمارے موجودہ نصاب تعلیم کا بڑا دخل ہے طلباء اور طالبات کی اتنی کثیر جماعت کے واسطے جہاں پر مختلف علوم و فنون کا انتظام ہوتا ہے وہاں پر دینی تعلیم کے واسطے کوئی جامع نصاب تعلیم موجود نہیں ہے جسے پڑھنے کے بعد طلباء و طالبات کے اندر دینی ذہن اور دینی سوچ پیدا ہو۔ ان کے اسلامی عقائد درست ہوں وہ اپنے انفرادی و اجتماعی مسائل کے بارے میں دوسروں کے محتاج نہ ہوں اور معقول دینی تعلیم کا انتظام نہیں ہے تاکہ وہ انہیں تعلیم گاہوں سے نکلنے کے بعد جس طرح پیشہ وارانہ تعلیم کی بنا پر معاشی زندگی میں بے فکر ہوتے ہیں اور خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی سعی کرتے ہیں اسی طرح وہ دینی تعلیمات کے سلسلہ میں بھی ضروری اور دینی احکام و مسائل سے واقف ہوں۔ دوسرے سے بے نیاز ہوسکیں اور ان کو صرف باریک اور مشکل مسائل کے سلسلہ میں بوقت ضرورت علماء کرام سے رجوع کرنا پڑے۔

اس واسطے ارباب اقتدار کے ذمہ ضروری ہے کہ نصاب تعلیم میں صحیح عقائد اسلام کی بنیادی کتابوں کو داخل کیا جائے اور اس بارے میں مستند و محقق علماء کرام اور مفتیان کرام کے توسط سے مناسب کتابیں تجویز کی جائیں اور اخلاقی تربیت کے واسطے بھی کچھ کتابیں شامل نصاب کی جائیں۔ اخلاقی امور کے بارے میں تعلیم گاہوں میں پابندی کرائی جائے اور یہ وزارت تعلیم اور اساتذہ کرام کے توسط سے ہی ممکن ہے اگر ہیڈ ماسٹر، پرنسپل، شیخ الجامعہ اپنے طلباء اور طالبات کے واسطے اپنے طرز کے مخصوص لباسوں کی پابندی لگا سکتے ہیں تو اسلامی لباسوں کی پابندی کیوں نہیں

لگا سکتے۔ طلباء و طالبات کے لئے اخلاقی چیزوں کو لازمی اور بداخلاقیوں پر پابندی کیوں نہیں لگا سکتے۔ یقیناً وہ ایسا کر سکتے ہیں بشرطیکہ پہلے وہ ان چیزوں پر یقین کریں پھر خود کو اسلامی تعلیمات پر کاربند کریں اس کے بعد طلباء سے ان باتوں کی توقع کریں ورنہ یہ کیسے ممکن ہوگا کہ خود تو خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہوں اور طلبہ و طالبات کو ہدایات دیں کہ آپ لوگ اچھے اخلاق کی پابندی کریں محال ست محال ست۔ بہرحال نصاب تعلیم میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

یہ تو دینی نصاب تعلیم کی ضرورت پر بات ہوئی لیکن جب تک موجودہ تعلیم گاہوں میں دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا کوئی صحیح اور معقول انتظام نہیں ہوتا اس وقت تک انفرادی طور پر ماں باپ اور سرپرستوں کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ضروری دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا موثر انتظام کریں ورنہ روز محشر عنداللہ مأخوذ اور گنہگار ہوں گے ان سے سوال ہوگا کہ بچوں کی ضروری دینی تعلیم اور تربیتِ اخلاق کا انتظام کیوں نہیں کیا پھر اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ اولاد کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا لہٰذا اس سلسلہ میں خوب سوچیں اور فکر کریں۔

ہمارے بچّے اور موجودہ تعلیمی درسگاہیں

بچوں کے اخلاق بگاڑنے کا تیسرا بڑا سبب ہمارے موجودہ تعلیمی اداروں کا لادینی ماحول اور مخلوط تعلیم بھی ہے، ایک طرف دینی تعلیم کی کمی دوسری طرف سے اخلاقی تربیت بمنزلہ صفر، تیسری چیز مخلوط تعلیم، نیز اخلاق بگاڑنے کے دیگر جملہ اسباب کی فراہمی، ایسے حالات میں طلباء و طالبات کیسے دیندار بنیں اور کس طرح دین اور دینی تقاضوں کو پورا کریں، لادینیت کے سیلاب اور طوفان سے اپنے آپ کو کس طرح بچائیں یہ ایسے اہم سوالات ہیں جن کا جواب ڈھونڈنا اور اس سلسلہ

میں غور و فکر کرنا جس طرح امت کے ہر بڑے اور سرپرست پر لازم ہے موجودہ تعلیمی اداروں کے ذمہ دار طبقے پر بھی از بس ضروری ہے کیونکہ والدین اور سرپرستوں نے تعلیم و تربیت کے لئے اپنے بچوں کو انہیں کے حوالے کیا ہے۔

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے اور دیکھا ہے کہ درس گاہوں کی بے شمار کوتاہیوں اور نقائص کی بنا پر ہمارے اکثر طلبار اور طالبات آزادانہ چال چلن اور غلط روش کے عادی ہو جاتے ہیں خود بھی بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی بگاڑتے ہیں۔ ظاہر ہے "خود گم ست کرا رہبری کند" کا مصداق بنتے چلے جاتے ہیں ان باتوں کو سوچ کر دل خون کے آنسو بہانے لگتا ہے کتنے افسوس کی بات ہے ہماری اولاد ہمارے بچے بگڑے ہوتے ہوں، بد اخلاق ہوں، والدین کے نافرمان ہوں، قوم اور معاشرہ کے لئے سبب وبال ہوں ہم کچھ نہ کہہ سکیں نہ کر سکیں۔ کیا اللہ تعالے نے اولاد کی نعمت اس لئے عطا کی تھی کہ ہماری غفلت کے باعث یہ انسان بننے کے بجائے درندوں کی صفات کے مالک ہوں بد اخلاق، بد اطوار بد کردار ہی رہیں۔ ان سے تعمیرِ ملت اور خلافت و امامت کا کام لینا تھا۔ ٹھنڈے دل سے سوچنے اور غور و فکر کرنے کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے مسلمان بھائیوں کو سمجھ دے۔ فہم عطا کرے تاکہ وہ اس سلسلہ میں اپنی اولاد کے لئے کچھ سوچیں اور کریں۔

یہاں بغرض عبرت کالج کے ایک طالب علم اور عصری علوم سے فارغ ایک طالبہ کے خطوط نقل کر دینا مناسب ہوگا جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مخلوط تعلیم میں کیا فوائد ہیں اور کیا نقائص ہیں اور اس مغربی طرز تعلیم نے ہمیں کیا دیا ہے۔

دو۲ عبرت ناک اور افسوسناک خطوط کا ذکر

(۱) پہلا خط ایک طالب علم کا۔

محترم ومکرم جناب مولانا مفتی صاحب مدظلہ
دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! اسلام مسنون یہ کہ مولانا صاحب! میں ایک بارہویں جماعت کا طالب علم ہوں گنہگار ہوں، پریشان حال ہوں، آپ قرآن وسنت کی روشنی میں میری پریشانیوں کا حل بتائیے گا اگر ضرورت ہو تو میرے اس خط کو "اخبار جنگ" میں شائع کر سکتے ہیں لیکن میرا نام اور پتہ نہ دیجئے گا. میرے والدین مذہبی لوگ ہیں نماز پڑھتے ہیں اور ماشاء اللہ اکثر بھائی بہن نمازی ہیں والد صاحب کی مالی حیثیت اچھی ہے اچھی تنخواہ پر گورنمنٹ ملازمت کرتے ہیں.

میرا حال یہ ہے کہ میری عمر اس وقت تقریباً ۲۴، ۲۵ سال ہے، بیس سال عمر سے قبل میری دینی حالت اچھی تھی ذہن صاف تھا اپنی جماعت میں اچھا اور نمایاں طالب علم تھا لیکن کالج میں داخلہ لینے کے بعد آدمی کا صحیح حالت میں رہنا ایک معجزہ سے کم نہیں ہے. آپ کو معلوم ہے کہ ہماری مخلوط تعلیم کی وجہ سے تعلیم گاہوں سے کسی طالب علم یا طالبہ کا باعفت تعلیم حاصل کرکے نکلنا ناممکن جیسا ہے جدھر جاؤں گناہوں کا منظر ہے گناہوں کی کشش ہے ادھر گھر کا ماحول مذہبی ہوتے ہوئے گناہوں کا اڈہ ہے. وی سی آر، ٹی وی کے سارے پروگرام ہم دیکھتے ہیں مجبوراً دیکھنا پڑتا ہے بعض دفعہ اس میں یار دوست اور بعض ہم کلاس طالبات بھی جو کہ عزیزوں میں سے ہیں آجاتی ہیں. ایک روز کا واقعہ ہے . . . .

. . . .

(یہ چھ تقریباً دس سطروں تک حذف کردیئے گئے ہیں کیونکہ ناقابل اشاعت ہیں)

غرض یہ واقعہ اور ان جیسے واقعات کے نتیجے میں میری صحت خراب ہوگئی تعلیم برباد ہوگئی اس میں زبردست نقصان پہنچا اور میں مستقلاً جریان کا مریض بن گیا ہوں۔ ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج معالجہ بہت کیا لیکن فائدہ نہیں ہوا البتہ سب کا مشورہ یہ ہے کہ شادی کرلی جائے اس سے قبل یہ بیماری دور ہونے والی نہیں ہے والدین تک میں نے یہ بات بعض عزیزوں کے ذریعہ پہنچادی لیکن مولانا صاحب! وہ کسی حال میں تعلیم مکمل کئے بغیر شادی کرانے پر راضی نہیں ہیں اور تعلیم مکمل کرنے کے واسطے اگر باہر ممالک بھی جانا ہے تو چار پانچ سال مزید باقی ہیں۔

ایسے حالات میں میرے لئے تعلیم کو آگے جاری رکھنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف کے سوا کچھ نہیں ہے ایک جوان سال طالب علم پھر اس کے اوپر تحریر شدہ حالات ہوں وہ کس طرح آگے تعلیم جاری رکھ سکتا ہے اس بارے میں مولانا صاحب آپ مجھے صحیح مشورہ دیں۔

(۱) اگر میں تعلیم چھوڑدوں اور گناہ سے بچنے کی غرض سے ملازمت اختیار کرکے شادی کرلیتا ہوں اور والدین اس پر راضی نہ ہوں اس میں گنجائش ہے یا نہیں؟ اور میں والد کا نافرمان بنوں گا یا نہیں؟

(۲) مذکورہ حالات میں اگر والدین شادی میں مانع بنیں اور مجھ سے گناہ سرزد ہوجائے تو اس کا وبال میرے اوپر ہے یا والدین پر؟

(خط کا جواب)

اَلجواب باسمہٖ تعالیٰ

(۱) صورتِ مسئولہ میں آپ کسی عزیز و رشتہ دار کے ذریعہ یا بذریعہ تحریر

اپنے والدین کو ضروری حالات سے مطلع کریں اگر وہ آپ کے تعلیم چھوڑ کر ملازمت اختیار کرنے پر راضی ہو جائیں اور آپ کی شادی کرا دیتے ہیں تو ان کی بلاوجہ ناراضگی مول لینے کی جرأت نہ کیجئے لیکن وہ اگر ان باتوں پر راضی نہ ہوں اور آپ کے پاس شادی کے وسائل موجود ہوں تو آپ اپنا نکاح خود کر لیجئے. آپ کے لئے نکاح کرنا فرض ہو گیا ہے والدین کی اطاعت ایسے موقع پر لازم نہیں ہے اور اگر شادی کے وسائل موجود نہیں ہیں تو آپ ملازمت اختیار کر کے وسائل پیدا کریں پھر شادی کا ارادہ کریں جب تک وسائل پیدا نہ ہوں روزے رکھا کریں۔

(۲) ایسے حالات میں اگر والدین کی بات مانتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کریں گے تو آپ اور آپ کے والدین سب گناہ کبیرہ کے مجرم ہوں گے۔ فقط

کتبہ : محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ
۱۱ جنوری ۱۹۸۷ء

دوسرا خط ایک مظلوم لڑکی کا

بخدمت جناب مولانا مفتی صاحب دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی ۵

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد سلام مسنون انیکہ جناب مفتی صاحب! کہ آپ ہمارے دینی رہنما ہیں اور باپ کے برابر ہیں آپ سے ایک دینی مسئلہ کے بارے میں رہنمائی چاہتی ہوں آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں گے۔

میرا حال یہ ہے کہ میں نے تعلیم مکمل کر کے ایک جگہ ملازمت اختیار کر لی ہے

کیونکہ والدین کی خواہش بھی یہی تھی ورنہ والد صاحب کی مالی حالت الحمدللہ اچھی ہے وہ اگر چاہتے تو میں گھر میں عزت کی زندگی گذار سکتی تھی. ہماری ایک بہن ہے وہ بھی تعلیم مکمل کرنے والی ہے اس کے لئے بھی والد صاحب نے یہ کہہ رکھا ہے کہ ملازمت کرنی ہوگی. عمر کے لحاظ سے ہماری شادی ہو جانی چاہیئے تھی لیکن آدھی صحت تو تعلیمی زمانہ میں گرگئی جوانی اور شباب کی پر رونق زندگی کا موقع شاید ہی دوبارہ عود کر آجاتے. ابھی میری عمر ۲۶ سال ہے اور میری بہن کی عمر ۲۳ سال ہے کالج کی تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں جو بداخلاقیاں مجھ سے سرزد ہو گئی ہیں شاید صغرسنی اور غلط ماحول کی وجہ سے خدا معاف کردے لیکن اب تو دفتروں میں اجنبی مردوں سے اٹھنا بیٹھنا ہنسی مذاق، ناجائز نگاہیں ڈالنا روز کا معمول ہے یہ ایسے گناہ ہیں کہ خدا کے یہاں شاید قابل معافی نہ ہوں.

جب میری عمر پندرہ، سولہ سال کے لگ بھگ تھی اس وقت نہایت ہی پاک سیرت اور پاک باز لڑکی تھی، نماز کی پابند تھی لیکن کالج کی مخلوط تعلیم کی وجہ سے اب تقریبًا سب باتیں ختم ہوگئی ہیں جب طبیعت میں نشاط ہو پڑھ لیتی ہوں ورنہ نماز رہ جاتی ہے. رات دن گناہوں کے خیالات میں تعلیم کا زمانہ ختم ہوگیا اب ارادہ تھا کہ گھر میں آجانے کے بعد شاید گناہوں سے بچنے کا موقع ملے والد صاحب شادی کردیں لیکن اب بھی وہی حالات ہیں.

ہمارے دفتر میں ایک اچھا لڑکا تھا اس کے اخلاق اور رویّہ اور خاندان سے میں واقف ہوں اس سے میرا مراسم ہوگیا . . .

. . . .

(یہاں سے پانچ سطروں کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ حصہ ناقابلِ اشاعت تھا)

جناب مفتی صاحب! مجھے آپ بتائیں کہ ایسے حالات میں گناہ سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ والدین کو ہمارے ان حالات کا احساس یا تو نہیں ہیں یا چشم پوشی کرتے ہوئے بے احساسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس حالت میں اگر گناہ کی زندگی گذارنے کی جگہ خود اپنی مرضی سے نکاح کر لیتی ہوں تو یقینی بات ہے کہ والدین ناراض ہو جائیں گے جبکہ میں نہیں چاہتی کہ وہ ناراض ہوں اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ میں گناہ میں مبتلا رہوں بالفرض والدین اگر زمانۂ قریب میں شادی کرانے پر تیار نہ ہوں اور میں صرف گناہ سے بچنے کی غرض سے نکاح کر لیتی ہوں تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ اور والدین کی ناراضگی پر مجھے کیا گناہ ملے گا؟ جس لڑکے سے میرا مراسم ہے اس کا ایک عزیز نیک اور تعلیم یافتہ لڑکا ہے وہ نکاح کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ لوگ اچھے اور اونچے خاندان کے ہیں۔

برائے کرم آپ جلدی جواب دے کر میرے مسئلہ کا اسلامی حل بتا دیں میں آپ کا شکر گذار بنوں گی۔ فقط

ایک مظلوم لڑکی ..... کراچی

۱۲ دسمبر ۱۹۸۷ء

دوسرے خط کا جواب

اَلجواب باسمه تعالےٰ

واضح رہے کہ آپ اپنے حالات اور مجبوریوں سے اپنے والد صاحب کو کسی طرح مطلع کر دیجئے اگر وہ ملازمت چھوڑ دینے اور جلدی شادی کر دینے پر رضامند ہو جاتے ہیں تو کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیے جس

سے دنیا و آخرت کی رسوائی کے ساتھ ساتھ والدین کی ناراضگی کا سبب بنے بلکہ ایسے حالات میں جب تک شادی نہیں ہو جاتی روزہ رکھا کریں اور شادی کرانے تک انتظار کریں اور اگر والدین ان باتوں کے باوجود کسی جگہ زمانۂ قریب میں شادی کرانے پر رضامند نہیں ہوتے اور ملازمت جاری رکھنے پر مجبور کرتے ہیں اور آپ کو مزید گناہوں میں مبتلا رہنے کا اندیشہ ہے تو آپ اپنے برابر خاندان کے کسی دیندار اور نیک سیرت لڑکے سے نکاح کر سکتی ہیں۔

ایسی صورت میں والدین کی ناراضگی کی وجہ سے آپ پر گناہ نہ ہوگا لیکن جس سے نکاح کرنا ہو باقاعدہ شرعی نکاح کر کے زندگی گذارنے اور گناہوں سے بچنے کے ارادہ سے ہو محض وقتی مصلحتوں کی غرض سے نہ ہو تو آپ کا نکاح جائز ہوگا اس سے آپ گنہگار نہ ہوں گی بلکہ والدین ایسے حالات پر مجبور کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔ فقط

کتبہ محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ

۲۰ دسمبر ۱۹۸۷ء

قارئین کرام! ان خطوط کو پڑھنے کے بعد خاص طور خط کشیدہ عبارت دیکھنے کے بعد خود ہی اندازہ کر لیں گے کہ ہماری موجودہ تعلیم و تربیت میں کیا کیا خامیاں ہیں اور موجودہ عصری تعلیم گاہوں کے غیر اسلامی ماحول میں تعلیم پانے والے طلبا و طالبات پر کیا کیا حالات گذر رہے ہیں اور وہ اپنی پاکدامنی اور اخلاق کے فطری جوہر کو کس طرح قربان کئے جا رہے ہیں اور انہیں ان حالات سے دوچار کرنے کے ذمہ دار کون کون لوگ ہیں۔

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ان مذکورہ ڈومراسلوں اور ان جیسے دوسرے

خطوط اور سوالات سے متاثر ہو کر میں تربیت اولاد کا یہ مضمون اپنی مسجد میں تقریر کے دوران سناتا رہا اور اب اسے تحریر کا جامہ پہنایا۔ خدا کرے یہ مضمون چھپ جائے اور بچوں کے والدین اور سرپرستوں تک یہ کتاب پہنچ جائے اور وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے بارے میں نظر ثانی کر سکیں۔

ایک حقیقت کا اعتراف

واضح ہو کہ موجودہ تعلیمی اداروں کے بعض طلباء اور طالبات جن کی تعداد اگرچہ بہت ہی کم ہے ایسے بھی نظر آتے ہیں کہ وہ غیر شرعی ماحول اور ناموافق و نامساعد حالات میں بھی فطری شرافت پاک دامنی، حیاء، وقار، سنجیدگی، دینی حمیت و غیرت کے دامن کو مضبوط عزائم کے ساتھ تھامے ہوئے رہتے ہیں۔ ان کے طرز زندگی، انداز معاشرت پھر اولوالعزمی اور دینی پختگی دیکھ کر بعض دفعہ ہماری گردنیں شرم کے مارے جھک جاتی ہیں اور آنکھیں نیچے ہو جاتی ہیں۔ ایسے طلباء و طالبات کے واسطے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے اور انہیں دیکھ کر احساس کمتری میں اپنی ذات پر افسوس بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالے سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! دین کے بارے میں ان جیسی اولوالعزمی کی صفت، پختگی اور ٹھوس عزائم ہمیں بھی نصیب فرمادے۔ جبکہ اس کے برعکس اکثر طلباء و طالبات کی بے حیائی، بے راہ روی، لادینی افکار و نظریات، آزادانہ گمراہ کن گفتار و رفتار کو جب ہم دیکھتے ہیں تو سارا بدن بھاری ہو جاتا ہے اعضاء شل ہونے لگتے ہیں۔ کفِ افسوس ملنے اور سر پر ہاتھ مارنے کے سوا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے، اس کے ذمہ دار کون لوگ ہیں سوچنے کی بات ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کفِ افسوس ملنے اور سر پہ ہاتھ رکھ کر ہائے ہائے کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا جب تک اس کے لئے کوئی ٹھوس اقدام نہ کیا جائے۔

اس واسطے ہم نے سوچا کہ جب تک لادینیت کا سیلاب اور گمراہیوں کی تیز تند ہوائیں جاری رہتی ہیں، نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرنا چاہیئے اور والدین اور سرپرستوں کو اس اہم معاملے کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ ہماری یہ کتاب اس سلسلہ کی پہلی سیڑھی ہے۔

تعلیم کی ابتدا کیسے کی جائے

بچے اور بچیاں جب ہوش سنبھالنے لگیں تو ان کے ماں باپ اور سرپرستوں کو چاہیئے کہ اوّل فرصت میں انہیں (۱) توحیدِ باری تعالےٰ اور اس کی صفات کی خصوصی تعلیم دیں۔ اس بارے میں عربی، اردو میں کتابیں ملتی ہیں، ان کتابوں کو خود بھی پڑھیں اور بچوں کو بھی یاد کرادیں۔

(۲) اسلام کے دوسرے ضروری عقائد، جیسے اللہ تعالےٰ کا دنیا اور آسمان وزمین کو پیدا کرنا، آخرت کا پیدا کرنا اور انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا، قیامت قائم ہونا، قیامت میں اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا، وغیرہ وغیرہ امور کی تعلیم کا اہتمام کرنا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مختلف زمانوں میں قوموں کی ہدایت کے واسطے بھیجنا، پھر ان انبیاء کے حالات زندگی اور سوانح مستند کتابوں کے ذریعہ بیان کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۴) سیرت الرسولؐ کی مستند کتابوں سے خاتم الانبیاء والمرسلین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی تعلیم دینا۔

⑤ اسلام کے ضروری احکام فرائض، واجبات، سنن کے علاوہ نوافل اور مستحبات وغیرہ کی تعلیم فقہ اور احکام کی مستند کتابوں سے دینا۔

⑥ حقوق العباد کی تعلیم جس میں حقوق الوالدین، رشتہ داروں کے حقوق، پڑوسی کے حقوق، دوستوں کے حقوق، یتیم و مسکین کے حقوق اپنے ماتحت رہنے والے لوگوں کے حقوق مثلاً بیوی بچوں کے حقوق، ملازمین کے حقوق، دوسرے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق، حتیٰ کہ انسانی ضروریات سے متعلق حیوانات اور جانوروں کے حقوق کی تعلیم۔

⑦ اخلاق و آداب کی تعلیم اس سلسلہ میں موجود کتابوں کو پڑھ کر مطالعہ کر کے خود تعلیم دے سکتے ہیں تو خود تعلیم دیں ورنہ کسی معلّم اور استاد کے ذریعہ دیں۔

⑧ دین کی اعلیٰ تعلیم گو ہر مسلمان پر فرض یا واجب نہیں لیکن دنیوی تعلیم میں لگانے سے قبل ہر بچہ کو اس حد تک ضروری دینی تعلیم دینا کہ عام فرائض، واجبات سنن وغیرہ کا علم ہو جائے۔ یہ والدین اور سرپرستوں کے لئے ضروری بلکہ ان پر فرض ہے اس میں کوتاہی کرنا موجبِ گناہ ہے۔

اس بارے میں ہم نے ایک مختصر اور جامع نصابِ تعلیم مرتب کیا ہے اگلے صفحات میں اس کو ملاحظہ کر لیا جائے انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

⑨ بعض لوگ بچوں کو دینی اور دنیوی دونوں طرح کی تعلیم ایک ہی زمانے میں دینے کی کوشش کرتے ہیں ایک طرف سے اسکول اور کالج میں بچوں کو داخل کرا دیتے ہیں دوسری طرف دینی تعلیم کی غرض سے مختصر وقت کے لئے مدرسہ میں یا کسی استاد اور معلّم کے پاس بٹھا دیتے ہیں یہ طریقہ مختلف وجوہ سے بچوں کے واسطے از حد نقصان دہ ہے۔

(الف) بچوں پر ایک طرح کی زیادتیِ محنت و مشقت کا باعث بنتا ہے اور بچے

نہ پوری طرح دینی تعلیم کو حاصل کر سکتے ہیں اور نہ پوری طرح دنیوی تعلیم کو اخذ کر سکتے ہیں۔

ب) دینی تعلیم کا مزاج، ماحول اور اس کے اثرات الگ ہوتے ہیں جبکہ دنیوی تعلیم کا مزاج، ماحول اور اس کے اثرات اس سے بالکل مختلف ہوتے ہیں لہٰذا بیک وقت بچوں کو دونوں تعلیم دلانا دو متضاد راستوں پہ چلنے کے لئے مجبور کرنے کے مترادف ہے۔

(ج) پھر عموماً ہمارے ہاں لوگوں میں دنیا کی تعلیم مقدم ہوتی ہے دینی تعلیم کو بطور تبرع اور زائد از ضرورت سمجھ کر دلاتے ہیں ایسے حالات میں بچوں کو صحیح طرح دینی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے نہ ان پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس واسطے بچوں کے سرپرست اور والدین کے لئے لازم ہے کہ بحیثیت مسلمان سب سے پہلے دین اور دینی تعلیم کو مقدم رکھیں اور جب تک بچے اور بچیاں دین کی ابتدائی اور ضروری تعلیم سے مکمل طور پر آراستہ نہ ہوں اس وقت تک ان کو دنیاوی تعلیم میں نہ لگائیں۔

دنیوی تعلیم کے مقابلہ میں دینی تعلیم کو مقدم رکھنے سے فائدہ یہ ہوگا کہ بچے اور بچیاں دینی تعلیم میں مضبوط ہو جائیں گے ان کا دین و ایمان ہر حال میں محفوظ ہو جائے گا اور دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود ان کے اعمال اور اخلاق درست رہیں گے اور اگر کوئی بگڑے گا بھی تو اکثریت تو راہ راست پر رہے گی۔

اس سلسلہ میں بندہ نے سنی مسلمان بچے بچیوں کے واسطے ایک مختصر اور جامع نصاب تعلیم ترتیب دیا ہے جو حضرات اپنی اولاد کو دینی عقائد اور دینی احکام سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں اس نصاب کو پڑھانے کے بعد انشاء اللہ امید ہے کہ بچوں کو دین کے ضروری امور اور اہم باتیں معلوم ہو جائیں گی جس کے بعد انشاءاللہ

بچے دین و اخلاق پر اپنے آپ کو ڈال سکیں گے اور لاعلمی اور جہالت کی بنا پر گمراہ نہ ہوں گے۔

یہ ساری کتابیں اردو میں ہیں ان میں سے ابتدائی اور چھوٹی کتابیں پڑھ لینے کے بعد کسی استاد کی معمولی رہنمائی کے بعد بڑی کتابیں خود بھی پڑھ سکیں گے

دینی تعلیم و تربیت کے لئے ایک مختصر اور جامع نصاب تعلیم

اور جن موضوعات کی کتابیں یہاں پر لکھی گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

① عقائد اسلام۔
② قرآن کے ترجمے و تفاسیر۔
③ کتب حدیث۔
④ احکام و مسائل۔
⑤ حقوق و آداب معاشرت۔
⑥ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
⑦ سیرت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔
⑧ عام معلومات۔

① عقائد اسلام میں ترتیب سے حسب ذیل کتابیں پڑھائی جائیں

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
①	شرح فقہ اکبر (اردو ترجمہ)	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
②	بہشتی زیور (عقائد کا حصہ)	مولانا اشرف علی تھانویؒ
③	تعلیم الاسلام پہلا حصہ (اردو)	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

④	عقائد اسلام (اردو)	محدث مولانا عبدالحق حقانی ؒ
⑤	عقائد اسلام "	مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ
⑥	تقویۃ الایمان "	شاہ اسماعیل شہید دہلوی ؒ
⑦	ایمان و کفر قرآن کی روشنی میں "	مولانا مفتی محمد شفیع ؒ
⑧	اختلاف امت صراط مستقیم (حصہ اول و دوم)	مولانا محمد یوسف لدھیانوی
⑨	سنت و بدعت "	مولانا مفتی محمد شفیع ؒ
⑩	تحفہ اثنا عشریہ "	محدث شاہ عبدالعزیز ؒ
⑪	تاریخ مذہب شیعہ "	مولانا عبدالشکور لکھنوی ؒ
⑫	تاریخ میلاد "	

② قرآن کے ترجمے اور تفاسیر

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
①	تفسیر عثمانی	شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ و مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ
②	تفسیر کشف الرحمٰن	مولانا احمد سعید دہلوی ؒ

مزید پڑھنے اور مطالعہ کیلئے مندرجہ ذیل تینوں یا ان میں سے ایک

③	معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع ؒ
④	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ
⑤	تفسیر حقانی	شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ

③ کتبِ حدیث شریف

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنّف
①	ریاض الصالحین (مترجم)	امام نووی رح
②	مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ	مولانا قطب الدین رح
③	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رح

④ احکام و مسائل

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنّف
①	مَالَابُدَّ مِنْہُ (اردو)	قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح
②	نماز حنفی "	مولانا خیر محمد جالندھری رح
③	تعلیم الاسلام (دوسرا، تیسرا حصہ)	مفتی کفایت اللہ دہلوی رح
④	علم الفقہ	مولانا عبدالشکور لکھنوی رح
⑤	بہشتی زیور (۲، ۳، ۴ حصے)	مولانا اشرف علی تھانوی رح
⑥	عمدۃ الفقہ (کامل)	مولانا زوار حسین رح

⑤ حقوق و آدابِ معاشرت

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنّف
①	آدابِ زندگی (اردو)	مولانا اشرف علی تھانوی رح
②	حیات المسلمین "	مولانا اشرف علی تھانوی رح
③	حقوق الوالدین "	مفتی ظفیر الدین رح

④	حقوق الوالدین (اردو)	مولانا اشرف علی تھانویؒ
⑤	حقوق العباد 〃	مولانا اشرف علی تھانویؒ
⑥	تربیت الاولاد 〃	ترجمہ: مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

بالغ لڑکیوں اور عورتوں کے مطالعہ کیلئے

	نام کتاب	نام مصنف
⑦	میاں بیوی کے حقوق	مفتی عبدالغنی
⑧	مسلمان بیوی اور مسلمان خاوند	مولانا ادریس انصاریؒ
⑨	خواتین کے لئے شرعی احکام (تحفۂ خواتین)	مولانا عاشق الٰہی
⑩	شرعی پردہ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
⑪	نیک بیویاں	مولانا اصغر حسینؒ
⑫	سیر صحابیات	

⑥ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنّف
①	اَلنّبی الخاتم	مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
②	سیرت خاتم الأنبیاء	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
③	رحمۃ للعالمینؐ	مولانا محمد سلیمان منصور پوریؒ

مطالعہ کے لئے ان میں سے کوئی کتاب

	نام کتاب	نام مصنّف
④	سیرت ابن ہشام (مترجم) اردو	
⑤	سیرت النبیؐ	مولانا شبلی نعمانیؒ، سید سلیمان ندویؒ

⑥	سیرت المصطفٰےؐ	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

⑦ سیرت صحابہ کرامؓ (پڑھانے کیلئے)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
①	مقام صحابہؓ	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
②	سیرت خلفائے راشدین	مولانا عبدالشکور لکھنویؒ
③	تاریخ خلفائے راشدین (مترجم)	علامہ سیوطیؒ

مطالعہ کے لئے

④	حیات الصحابہؓ	مولانا محمد یوسف دہلویؒ
⑤	فضائل صحابہؓ	مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

⑧ عام دینی معلومات کے لئے

درج ذیل کتابوں کو مطالعہ میں رکھنا مفید ہوگا

①	احیاء العلوم (مترجم) اردو	امام غزالیؒ
②	بہشتی زیور (کامل مدلل)	مولانا اشرف علی تھانویؒ
③	تاریخ الاسلام ۳ حصے	مولانا معین الدین ندوی
④	تاریخ فرشتہ	
⑤	قصص القرآن	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
⑥	فتاوٰی عالمگیری (مترجم) اردو	

یہ ایک مختصر نصاب تعلیم اور کتابوں کی فہرست لکھ دی گئی ہے جن کو پڑھنے کے

بعد ہمارے بچے دین کے سلسلہ میں کم از کم ضروری معلومات حاصل کر سکیں گے۔

لہٰذا جب تک ہماری پیشہ ورانہ تعلیم گاہوں میں دینی تعلیم کا ضروری نصاب شامل نہیں کیا جاتا اور موجودہ مخلوط تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا ہے تب تک بچوں کے والدین اور سرپرستوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کو مذکورہ بالا دینی نصاب تعلیم کا اہتمام کے ساتھ پڑھانے کا انتظام کریں۔ اس سے بچوں میں لادینی رجحان کم سے کم ہو جائے گا اور بچے ممکن حد تک لادینی ماحول میں پائی جانے والی برائیوں سے محفوظ رہ سکیں گے اور انشاء اللہ اس سے معاشرہ میں بہت بڑا اثر پڑے گا ورنہ موجودہ حالات میں مخلوط تعلیم گاہوں میں بچوں کو داخلہ دلانے کے بعد پھر ان سے اچھے نتائج کی توقع انتہائی دشوار ہے۔

اس لئے تمام محقق علماء کرام متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ موجودہ مخلوط تعلیم کا نظام غلط اور ناجائز ہے ان اداروں میں لڑکیوں کو داخل کروانا ناجائز اور معصیت ہے۔

مخلوط تعلیم کیوں ناجائز ہے؟ اس کے کچھ اسباب

- مخلوط تعلیم میں شریعت کا ایک قطعی اور ضروری حکم کہ "اجنبی بالغ مرد کا کسی اجنبی بالغ عورت سے پردہ کرنا فرض ہے" کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے کیونکہ ان اداروں میں تعلیم پانے والی لڑکیاں اکثر شرعی پردہ میں نہیں آتیں، نہ ہی کالج اور گورنمنٹ کے قانون میں اس پر کسی قسم کی پابندی ہے۔
- بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے اختلاط کے ضمن میں بے شمار آنکھوں کے گناہ پیروں کے گناہ ہاتھوں کے گناہ، دل کے گناہ سرزد ہوتے ہیں جن کو حدیث میں اعضاً کے زنا کہا جاتا ہے۔
- اس طرح غیر محرم لڑکوں اور لڑکیوں کے اختلاط سے شیطان اور شیطانی خیالات

کے لوگ تو خوش ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہوتی ہے۔

- جبکہ دنیوی لحاظ سے ایسے بے حجاب تعلیم پانے والے لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم میں بہت بڑا نقصان ہوتا ہے تجربے اور مشاہدے اس پہ شاہد عدل موجود ہیں۔
- اکثر مخلوط تعلیم گاہوں میں تعلیم پانے والے لڑکے اور لڑکیوں کی اخلاقی نشوونما اور تربیت میں بے شمار رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔
- جب مخلوط تعلیم گاہوں سے طلباء اور طالبات فارغ ہوکر معاشرہ میں اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں تو غیر شرعی عادات واطوار کے بُرے اثرات معاشرہ پر پڑتے ہیں۔
- مخلوط تعلیم گاہوں میں تعلیم پانے والے طلباء اور طالبات کا ایک طبقہ بے شمار امراض مردانگی وامراض نسوانی میں مبتلا ہوکر جوانی وشباب کو کھودیتے ہیں۔
- ان اداروں میں تعلیم پانے والے بعض طلباء اور طالبات دین، دینداری اور مذہب سے آزاد لڑکے اور لڑکیوں سے صرف تعلقات یاری ودوستی کی بناء پر والدین سے چوری چھپے نکاح کر لیتے ہیں جو کہ معاشرہ میں بے شمار مفاسد اور فتنے کا سبب بنتے ہیں۔
- موجودہ مخلوط تعلیم کے نتیجے میں ہونے والی بے پردگی، عریانی، بے حیائی میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے جس کی اصلاح بہت ہی مشکل معلوم ہوتی ہے۔
- جب ان اداروں سے فارغ ہونے والے اکثر لڑکے اور لڑکیوں کا یہ حال ہوگا تو ان سے پیدا ہونے والی نسل کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کی کیا صورت ہوگی اور بہتری کی کیسے توقع کی جائے گی۔

انہیں نقلی وعقلی وجوہ کی بناء پر خالقِ کائنات احکم الحاکمین رب العالمین نے پردہ

کا انتظام دیا ہے پردے کی آیات نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پردے کی احادیث بیان فرمائی ہیں۔

یہاں بطور نمونہ چند آیات اور احادیث کا ترجمہ اور تشریح لکھی جاتی ہے شاید بندگانِ الٰہی اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنی اولاد کی تربیت و تعلیم میں مذکورہ امور کا خیال رکھیں اور گمراہی کی گڑھے سے نکل کر ہدایت کے راستے کی طرف لوٹ آئیں۔

اجنبی مرد اور عورت کے درمیان اختلاط اور اس کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ"

(سورہ نور ۔ ۳۰، ۳۱)

آپ ایمان والے مردوں کو کہہ دیجئے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچے کی طرف رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے حق میں زیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔ بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کرتے ہیں اور کہہ دیجئے ایمان والی عورتوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی آنکھیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی۔

تشریح: واضح رہے کہ قرآن حکیم کا یہ حکم ہر مومن بالغ مرد اور بالغ عورت کے لئے ہے اور ہر حالت میں ہے اس سے کہیں یہ استثناء نہیں ہے کہ جب تک بالغ لڑکا یا لڑکی کم عمر کی ہو یا جب تک ان کی تعلیم مکمل نہ ہو یا جب تک ان کی شادیاں نہ ہوں۔ اس وقت تک ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں نگاہیں نیچے کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، ہر بالغ مرد اور عورت کے لئے ہے، چھوٹی بڑی تمام عمر

والے مرد و عورت کے لئے ہے۔ موجودہ دنیوی تعلیمی اداروں میں جب بالغ لڑکے اور بالغ لڑکیاں اپنی درس گاہوں میں اکھٹے آتے جاتے ہوں، بیٹھتے ہوں، گفتگو کرتے ہوں، دل لگی اور ہنسی مذاق کرتے ہوں اللہ تعالےٰ کے اس قطعی حکم حجاب کرنے اور پردہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے جبکہ اس پر عقیدہ رکھنا اور عمل کرنا دونوں باتیں ہر مومن بالغ مرد اور بالغ عورت کے لئے فرض اور ضروری ہیں۔

ملحدانہ جرأت اور کافرانہ دریدہ دہنی

بعض آزاد منش، جدید تعلیم یافتہ جو کہ ظاہراً نام و نمود کے لحاظ سے مسلمان نظر آتے ہیں اور دعوے سے اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں بعض دفعہ جوشِ نافرمانی میں کلماتِ کفریہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ "نقلِ کفر کفر نباشد" کے تحت یہاں ان کے الفاظ کو نقل کر دیتے ہیں تاکہ ان کے بارے میں شرعی حکم لکھنے میں آسانی ہو۔ منکرین پردہ فرماتے ہیں:

"پردے کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ کا پرانا حکم ناقابلِ عمل اور ناقابلِ تسلیم ہے۔ موجودہ حالات میں اس پر عمل پیرا ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اب پردے کے حکم پر عمل کرنے کے لئے کہنا رجعت پسندی ہے۔ اب دنیا ترقی پر ہے۔ ۱۴ سو سال قبل کی شریعت پر عمل کرنا ناقابلِ فہم ہے اس واسطے جو رجعت پسند لوگ پردے کی بات کرتے ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔"

ان حضرات کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اجنبی مرد و عورت کے درمیان خلوت و اختلاط کی ممانعت اور شرعی پردے کا حکم اور اضطراری حالات میں اختلاط ہو تو مرد اور عورت دونوں کے واسطے اپنی اپنی نگاہوں کو نیچے کر لینے کا حکم یہ ایسے

شرعی احکام ہیں جو کہ قطعی اور ضروری ہیں حدودِ الٰہی میں سے ہیں۔ یہ اور ان جیسے دوسرے قطعی اور ضروری احکام پر ایمان لانا اور یقین کرنا اور اس پر عمل کرنا ہر ایماندار پر فرض ہے۔

پردے کے مذکورہ احکام اور اسی طرح شریعت کے دوسرے قطعی اور ضروری احکام میں سے کسی ایک حکم کا صریح انکار کفر ہے۔ چنانچہ کسی قطعی اور ضروری حکم شرعی کے انکار کرنے سے آدمی مرتد اور کافر ہو جاتا ہے خواہ وہ اسلام کے دوسرے تمام احکام پر یقین بھی رکھتا ہو اس پر عمل بھی کرتا ہو۔ ایسے لوگوں کے لئے تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح ضروری ہو جاتا ہے اور وہ اگر ایسا نہیں کرتے تو ان کے ساتھ کافروں اور مرتدوں کے معاملات کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کسی شرعی حکم کو نا قابلِ عمل قرار دینا اور اس کی شرعی حیثیت سے انکار کرنا ایسا ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے اور اجتہاد کو فوقیت دینا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت اور شقاق پیدا کرنا ہے۔ قرآن کریم کے اندر واضح حکم ہے: وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔ (انفال ۱۳) "یعنی جس شخص نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اس کے لئے سخت عذاب ہے۔"

البتہ جو لوگ پردے کے بارے میں شرعی احکام کو تسلیم کرتے ہیں مگر معاشرہ اور ماحول کے تحت پردے کے احکام پر عمل نہیں کرتے وہ لوگ کافر تو نہیں ہوں گے لیکن تارکِ فرض ہونے کی وجہ سے گنہگار اور فاسق ضرور ہوں گے ان پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ پردے کے احکام کی پابندی ضروری ہے۔ غرض ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ اس نکتہ کو ذہن میں رکھے کبھی بھی کسی قطعی حکم شرعی کا انکار نہ کرے اس کی توہین تحقیر نہ کرے، عمل میں کوتاہی کو اللہ تعالےٰ آخرت میں چاہے گا تو معاف کر دے گا۔

ورنہ عذاب دے گا پھر بھی ایمان کی وجہ سے بالآخر جنّت میں جانے کی امید ہے لیکن جو شخص سرے سے کسی حکمِ شرعی کو تسلیم نہیں کرتا یا اس کا انکار کر دیتا ہے یا اس کی توہین و تحقیر کرتا ہے تو یہ شخص مذکورہ حالات میں کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ اگر اس سے توبہ کر کے تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہیں کرتا تو اس سے کافروں جیسا معاملہ کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے ابدی جہنم کی وعید ہے۔ پھر آخرت میں کفر اور شرک کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمان بھائیوں کو کفر سے بچائے۔ آمین

بات مخلوط تعلیم کے عدمِ جواز پر ہو رہی تھی کہ اس میں پردے کے احکام کی خلاف ورزی اور بے حرمتی ہوتی ہے اجنبیہ بالغ عورت اور لڑکی سے خلوت ہوتی ہے اخلاق خراب ہوتے ہیں اس کے علاوہ بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ میں اجنبی مرد اور عورت کا بلا حجاب تعلیم و تعلّم بھی منع ہے

چنانچہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِن وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (احزاب - ۵۳)	جب ان سے کسی چیز کے بارے سوال کرنے جاؤ تو پردہ میں رہ کر سوال کرو ایسا کرنا تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے بہت ہی بہتر عمل ہے۔

تشریح: آیت مذکورہ میں اجنبی مردوں و عورتوں کے واسطے ضروری سوال و جواب اور گفتگو کے دوران پردہ اور حجاب میں رہ کر سوال و جواب اور ضروری گفتگو کرنے کی ہدایت دی گئی ہے اور بلا حجاب بے پردہ ہو کر اجنبی مرد و زن کے سوال و جواب اور ضروری گفتگو کرنے سے بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔

آیت کا نزول اگرچہ ازواج مطہرات سے سوال وجواب کے درمیان سے متعلق ہے لیکن مفہوم اور منطوق سب امت کے لئے ہے لہٰذا تعلیم گاہوں میں طالبات کا مرد استاد سے سوال وجواب اور مرد اساتذہ کی طالبات سے بے حجابانہ مخاطبت بھی ممنوع ہوگی. یہی حکم موجودہ زمانے کے ان سیاسی وغیر سیاسی جلسے اور جلوسوں، سرکاری دفاتر اور محکموں کا ہے. جہاں جہاں اجنبی مرد اور عورت کا اختلاط ہوتا ہے ایک دوسرے سے بے حجابانہ مخاطبت اور مکالمہ ہوتا ہے سب کے سب ناجائز وحرام ہیں.

اس واسطے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے کہ اس بارے میں غور کرے. زندگی تو گذر ہی جائے خواہ پردہ کے ساتھ ہو یا بے پردگی کے ساتھ. فرق یہ ہے کہ پردہ کے ساتھ زندگی گذارنا ایمان والی زندگی ہوگی، دین اور شریعت والی زندگی ہوگی اور بے پردگی کی زندگی گذارنا کافرانہ انداز پر غیر شرعی زندگی. اور دونوں زندگیوں کے راستے بھی الگ ہیں اور انجام کار بھی الگ الگ ہیں.

لہٰذا بہت سوچنے کی ضرورت ہے.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے.

لا یخلون رجل وامرأۃ	کوئی مرد عورت کے ساتھ تنہائی اختیار
الا کان الشیطان	نہیں کرتا مگر یہ کہ شیطان ان کا تیسرا
ثالثھا. (ترمذی)	ساتھی ہوا کرتا ہے.

دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إیاکم والدخول	اے لوگو! تم عورتوں کے پاس جانے سے
علی النساء فقال رجل	قطعی طور پر بچو. ایک صحابی نے عرض کیا
یارسول اللہ أفرأیت	یارسول اللہؐ شوہر کا بھائی (جیٹھ،
الحمو (ای أخ الزوج)	دیور) کا کیا حکم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ

قال الحموالموت . (بخاری ومسلم)

وسلم نے فرمایا جیٹھ اور دیور موت جیسے ہیں (یعنی موت سے جیسے ڈرتے ہو اس طرح جیٹھ اور دیور سے بھی بچنا ضروری ہے)

تشریح: مذکورہ بالا حدیثوں میں سے پہلی حدیث کے احکام یہ ہیں۔

- کوئی مرد غیر محرم عورت کے ساتھ خواہ بڑی عمر کی یا چھوٹی عمر کی ہو دونوں اکھٹے نہ رہیں اکھٹے نہ بیٹھیں کیونکہ اس طرح تنہائی میں رہنے یا ہونے کی صورت میں شیطان آموجود ہوتا ہے وہ ان مرد اور عورت کو گناہ میں مبتلا کرنے کی سعی شروع کردیتا ہے۔
- غیر محرم مرد وزن تنہائی میں ایک کمرہ میں یا ایک مکان میں جبکہ کوئی پردہ اور حجاب نہ ہو نہ ٹھہرا کریں نہ سویا کریں۔
- غیر محرم مرد غیر محرم عورت کو خواہ چھوٹی عمر کی ہو نہ تعلیم دے نہ اس سے گفتگو کرے نہ اور کوئی کام کرے کیونکہ یہ سب باتیں ممنوع اور فسق ہیں شیطانی افعال ہیں۔
- غیر محرم مرد کا کسی عورت کے ساتھ بلا حجاب اٹھنا بیٹھنا گفتگو کرنا خواہ عورت کے محرم یا شوہر وہاں پر موجود ہوں منع ہے۔
- مرد غیر محرم عورت کے ساتھ سفر نہ کرے اور نہ عورت کسی نامحرم مرد کے ساتھ سفر کرے۔

دوسری حدیث کے احکام یہ ہیں:

- حدیث میں تمام مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نامحرم عورتوں کے پاس جانے سے قطعی طور پر پرہیز کریں۔
- لہٰذا غیر محرم بالغ مرد کا خواہ کسی عمر کا ہو کیسے بزرگ اور دیندار ہستی ہو

غیرمحرم عورتوں کے گھروں میں جاکر ٹھہرنا، بیٹھنا تنہائی میں گفتگو کرنا جبکہ ان کے شوہر یا دوسرا محرم موجود نہ ہو منع ہے۔

- بالغ مرد خواہ استاد ہو یا پیر و مرشد کا غیرمحرم عورتوں کے مجمع میں بلاحجاب تعلیم دینا تقریر کرنا وعظ کہنا منع بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔
- بالغ مرد کا غیرمحرم عورتوں کے جلسے جلوس میں شرکت کرنا، بلا حجاب ان کے سامنے تقریر کرنا ان سے گفتگو کرنا منع ہے۔
- غیرمحرم عورتوں اور لڑکیوں کی درس گاہوں میں مرد استاد کا درس دینا جبکہ عورتیں اور لڑکیاں بلاحجاب اور بے پردہ ہوں ناجائز و حرام ہونے کی وجہ سے گناہ کبیرہ ہے اور یہی حکم عورتوں اور لڑکیوں کے لئے بھی ہے کہ بلاحجاب اجنبی مردوں کے سامنے درس دینا، تقریر کرنا ناجائز، حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔
- عورتوں کے لئے شوہر کے بھائی خواہ جیٹھ یا دیور سب غیرمحرم ہیں ان کے ساتھ بلاحجاب اٹھنا بیٹھنا تنہائی میں گفتگو کرنا ایک کمرہ میں رہنا اور جب مکان میں اور کوئی نہ ہو ایک مکان میں بلاحجاب دونوں کا رہنا سب منع ہے۔
- شوہر کے دوسرے رشتہ دار مثلاً چچا، ماموں، ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بھائی وغیرہ سب غیرمحرم ہیں ان سے پردہ کرنا ضروری ہے بلاحجاب ان کے سامنے آنا جانا ان سے گفتگو کرنا تنہائی میں رہنا سب ناجائز ہے۔ لہٰذا ان سے بچنا ضروری ہے اور شوہر کے چچا، ماموں، خالہ زاد، پھوپھی زاد ماموں زاد اور دوسرے رشتہ دار مردوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے عزیز کی بیوی کے پاس نہ جائیں اور بلاحجاب ان سے گفتگو نہ کریں۔

○ واضح رہے کہ جس طرح ہر مرد کے لئے نامحرم عورتوں کے سلسلہ میں مذکورہ بالا احکام ہیں اسی طرح ہر بالغ عورت کے بھی یہی حکم ہے کہ وہ غیر محرم مرد کے پاس یا مردوں کے مجمع میں نہ جائے ان سے مذکورہ طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ پر اختلاط نہ رکھے کیونکہ یہ سب باتیں ناجائز اور حرام ہیں معصیت اور گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر گناہوں کا سبب بھی بنتی ہیں۔ پھر آج کل بالغ عورتیں شادی شدہ یا غیر شادی جس انداز سے بے پردہ اور بناؤ سنگھار کے ساتھ گھروں سے باہر نکلتی ہیں اور دفتروں یا تعلیم گاہوں میں جاتی ہیں ان کا حال دیکھ کر تو بہت ہی افسوس اور دکھ ہوتا ہے۔ اللہ ہی ہماری عورتوں کی حفاظت فرمائے اور انہیں سمجھ عطا فرمائے۔

شریعت میں عورتوں کے لئے بناؤ سنگھار اور بے پردگی کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

صنفان من أهل النّار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها النّاس ونساء كاسيات عاريات	دوزخ والوں میں سے دو قسمیں ایسی ہیں جنہیں ابھی میں نے نہیں دیکھا ایک وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دُم کی طرح کے کوڑے ہوں گے وہ لوگوں کو ان سے مارا کریں گے۔ دوسری وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی، بناؤ سنگھار کرکے چلنے والی خود دوسرے مردوں کی طرف مائل ہونے والی اور دوسرے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی ان کے سر کے بال

مائلات ممیلات رؤسھن کأسنمۃ البخت لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحھا وان ریحھا لیوجد من مسیرۃ خمسمائۃ عام۔ (مسلم ص ۲۰۵ ج ۲)

ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹ کے کوہان (یعنی سر کے بالوں کا ایسا جوڑا بنائیں گی جو ابھرا ہوا ہو گا اور وہ اونٹ کے کوہان کی طرح معلوم ہو گا) ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ وہ جنت کی خوشبوئیں سونگھیں گے حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کے فاصلہ سے محسوس ہو گی۔

حدیث کے ترجمہ سے مفہوم بالکل واضح ہے، اس وقت تعلیم گاہوں، دفتروں اور دیگر اداروں میں جانے والی مسلمان عورتوں اور بچیوں کی اکثریت کا لباس اسی نمونے کا ہوتا ہے۔ حدیث پاک کی روشنی میں یہاں کئی سوالات سامنے آتے ہیں مثلاً

(۱) مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو نیم عریاں لباس پہن کر اس طرح گھر سے نکلنا جائز ہے؟

(۲) ماں باپ، شوہر اور دیگر سرپرستوں کے ذمہ اپنی بے پردہ اور بناؤ سنگھار کے ساتھ باہر نکلنے والی بچیوں اور عورتوں کو مخلوط زندگی، مخلوط تعلیم، مخلوط ملازمت سے الگ اور دور رکھنا فرض اور ضروری نہیں ہے؟

(۳) کیا انہیں ان کی ایمانی غیرت اور دینی حمیت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنی عورتوں اور بچیوں کو ننگے سر، ننگے بدن، کھلے چہرے، کھلے گلے اور کھلے سینوں کے ساتھ اس طرح بازاروں اور مارکیٹوں کی زینت بننے دیں؟

(۴) کیا ان کے اندر ایمانی جذبے ختم ہو گئے ہیں ان کے اندر غیرتِ اسلام کا خون پانی ہو چکا ہے؟

۵ کیا ان لوگوں نے جنّت کے بدلہ میں جہنّم کا سودا کر لیا ہے؟
اگر ایسا ہوا تو بڑے خسارے گھاٹے کی بات ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہ مِنْھَا۔ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایسے خسارے اور گھاٹے سے بچائیں۔ یہ تو ہمارے عصری علوم کی تعلیم گاہوں میں مخلوط تعلیم کے سلسلہ میں بات آگئی تو ضمناً دوسرے مسائل بھی آگئے ہیں ورنہ میرا اصل موضوع یہ تھا کہ سب سے پہلے بچوں اور بچیوں کو دینی تعلیم و تربیت دی جائے اس کے بعد عصری اور پیشہ ورانہ علوم میں لگایا جائے اور بچیوں کو مخلوط تعلیم گاہوں میں داخلہ نہ دلایا جائے بلکہ اس کے لئے جب تک خواتین کے لئے مخصوص ادارے قائم نہیں ہوتے لڑکیوں کے لئے قائم عام اسکولوں کی تعلیم پر اکتفا کیا جائے۔ مخلوط تعلیم گاہوں میں یا مخصوص خواتین اساتذہ کا انتظام نہیں ہوتا۔ تعلیم دلا کر ان کے ایمان و اعمال کو ضائع کرنے کا راستہ اختیار نہ کریں کیونکہ اس سے بہت سے احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اور خلاصہ بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔

۱ مخلوط تعلیم اور مخلوط ملازمت سے اجنبی مردوں سے بے حجاب اختلاط ہوتا ہے جو کہ قرآن و حدیث کی رو سے ممنوع و حرام ہے۔ اس اختلاط کے نتیجہ میں اعضاء (آنکھ، کان، زبان وغیرہ) کی حرامکاری تو بے تکلّف ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات معاملات حد سے تجاوز بھی کر جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ گناہوں کی بُرائی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات اچھائی شمار ہوتی ہے۔

۲ مخلوط تعلیم اور مخلوط ملازمتوں میں مرد اور عورت دونوں سے آنکھوں کی حفاظت نہیں ہو سکتی آنکھوں کا زنا ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے غیر محرم سے آنکھوں کی حفاظت اور اس کے گناہ

سے بچنا فرض ہے۔ جو کہ بعض دفعہ گناہ پر منتج ہوتا ہے۔

(۳) مخلوط تعلیم اور مخلوط ملازمت کے اداروں میں ناجائز تعلق اور ناجائز دوستیاں ہوتی ہیں جو کہ قرآن وحدیث کی رو سے منع ہے۔

(۴) اجنبی مرد اور عورت کے اختلاط کی صورت میں شیطان ان کے ہمراہ ہو جاتا ہے اس کو گناہ کرانے کا موقع ملتا ہے۔ شیطانی خیالات وسوسے دل میں ڈالتے ہیں

(۵) ناجائز تعلقات و دوستی قائم ہوتے ہیں جس کی بنا پر بے شمار ناجائز اعمال ان سے سرزد ہوتے ہیں۔

(۶) مخلوط تعلیم اور ملازمت سے معاشرہ میں بے حیائی و فحاشی پھیلتی ہے جو کہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے جس سے قرآن وحدیث نے سختی سے منع کیا ہے۔

(۷) مخلوط تعلیم و تعلّم کے نتیجے میں نوجوانوں کے شہواتی جذبات ابھرتے ہیں۔ جب جذبات کے مطابق خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے تو گناہ ہوتا ہے اور خواہشات کی تکمیل نہیں ہوتی تو اس سے صحت بھی متاثر ہوتی ہے

(۸) مخلوط تعلیمی اداروں میں اکثر لڑکیاں بے پردہ، ننگے سر، گردن کھلی اور نیم عریاں لباس پہن کر آتی ہیں، اس سے پردہ اور حجاب کی آیات کی خلاف ورزی ہوتی ہے غیر محرم کے سامنے حسن و جمال کا مظاہرہ ہوتا ہے جس کو قرآن وحدیث میں منع فرمایا گیا ہے اور سببِ لعنت قرار دیا ہے۔

(۹) مخلوط تعلیم اور مخلوط ملازمت کی وجہ سے حیا و شرم رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔ اکثر لڑکیاں اور لڑکے انسانی اخلاق کو پامال کرتے ہوئے غیر اخلاقی امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔

(۱۰) اور ان سب باتوں کے اثرات اپنی حد تک محدود نہیں رہتے بلکہ آنے والی نسل کو بھی متاثر کرتے ہیں۔

(۱۱) اجنبی لڑکے اور لڑکی اور مرد اور عورت کے اختلاط سے بعض دفعہ ایسے نکاح اور شادیاں وجود میں آجاتی ہیں جو کہ دین و مذہب کے لحاظ سے غلط اور ناجائز ہوتے ہیں مثلاً مسلمان لڑکی کسی قادیانی، شیعہ، بوہری، آغاخانی وغیرہ غیر مسلم لڑکے سے خفیہ نکاح کرلیتی ہے یا مسلمان لڑکا کسی غیر مسلم لڑکی سے کورٹ میرج کرلیتا ہے ایسے نکاح شرعی اعتبار سے منعقد ہی نہیں ہوتے ایسے جوڑے ازدواجی تعلقات قائم کرکے عمر بھر حرامکاری میں مبتلا رہتے ہیں اور اولاد ناجائز ہوتی ہے. بعض لوگوں کو تو مسئلہ معلوم نہیں ہوتا جب پتہ چلتا ہے دل میں خدا کا خوف آتا ہے تو اس سے تائب ہوتے ہیں اور بعض پر شیطانی اثرات غالب ہوتے ہیں دین و ایمان کو خواہش نفس اور شیطانی تسلط کے تابع ہوکر برباد کردیتے ہیں۔

(۱۲) بعض دفعہ مخلوط تعلیم و ملازمت سے پیدا ہونے والے تعلقات کے نتیجے میں لڑکی کا خفیہ نکاح غیر خاندان میں یا غیر کفوء میں ہوجاتا ہے (یعنی خاندان، دین و نسب، عزت و شہرت، مال کے لحاظ سے کم تر والے سے ہوجاتا ہے) جس سے والدین اور پورے خاندان والوں کے لئے بدنامی و بے عزتی کا سبب بنتا ہے. عموماً دونوں کے خاندانوں میں لڑائی اور جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں جس کا اثر پورے خاندان، معاشرہ اور اولاد پر بھی پڑتا ہے۔

ان تمام خرابیوں اور برائیوں کو اگر دیکھا جائے تو لڑکیوں کی اعلیٰ عصری تعلیم کے فائدے کے مقابلے میں نقصانات کی فہرست بہت طویل ہوجاتی ہے۔

اس واسطے علماء محققین اور مفتیان عظام نے فرمایا ہے کہ موجودہ دور کی مخلوط تعلیم ناجائز ہے۔

مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں ہماری رائے یہ ہے کہ مخلوط تعلیمی اداروں میں

جو حضرات اپنی بچیوں کو داخل کراتے ہیں اوّلاً تو غلط اور ناجائز کام کرتے ہیں اس لئے کہ شرعاً ایسی تعلیم کی اجازت تو قطعاً نہیں جس میں بے حیائی، بے پردگی اور دوسری برائیاں پائی جاتی ہوں ۔ اس لئے مناسب تو یہ ہے ایسے اداروں میں تعلیم ہی نہ دلائیں لیکن اس کے باوجود اگر کوئی والد اور سرپرست اپنی بچیوں کو کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ دلانا چاہتے ہیں اور اپنی اولاد کو بے حیائی اور برائیوں سے بچانے کا ارادہ بھی ہے تو سب سے پہلے انہیں پردے کا پابند کریں، بغیر شرعی پردے کے بچیوں کو کسی ادارے میں نہ بھیجیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ مخرب اخلاق لڑکوں اور لڑکیوں سے ان کے دوستی و تعلقات رکھنے کے معاملے میں والدین اور سرپرست ان کی نگرانی کریں۔

تعلیم حاصل کرنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کو چاہیئے کہ دین اور ایمان کی خاطر گناہ آلود زندگی سے ممکن حد تک قطعی طور پر بچنے کی سعی کریں اپنی پاک دامنی اور فطری عفّت کو ضائع ہونے نہ دیں، نیز والدین اور سرپرست یا خود لڑکوں اور لڑکیوں کو جب اس بات کا اندیشہ اور خطرہ ہوجائے کہ وہ گناہ آلود زندگی گذارے بغیر مزید تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے بلکہ اگر مزید تعلیم جاری رہے گی تو ان کی پاکیزگی اور عفّت کی زندگی تباہ و برباد ہوجائے گی تو ایسے موقع پر ان کو چاہیئے کہ تعلیم بند کردیں یا سرپرست بند کرادیں آئندہ پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے حالات کے مطابق جو صورت سامنے آئے اس پر عمل کریں، اگر صورت سمجھ میں نہ آئے تو قریبی رشتہ دار سرپرست یا کسی دیندار عالم سے مشورہ لیں تاکہ حالات کے مطابق صحیح مشورہ مل سکے ۔

بچوں کی معاشرتی تربیت کے چند اساسی اصول

اسلام جن بنیادی امور کو انسان میں پیدا کرنے کی تعلیم دیتا ہے ان میں سے چند اہم اصول یہ ہیں ۔

اہم اصول یہ ہیں ۔

① تقویٰ تقویٰ کے معنی کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن باتوں کا حکم دیا ہے ان کو بجالائے اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان کو چھوڑ دے جو بندہ ان دونوں چیزوں پر عمل کرتا ہے وہ متقی کہلاتا ہے ۔

بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ انسان اچھے اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچے اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور دل میں خوفِ خدا رہے ۔

مذکورہ بالا دونوں تعریفوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت پیدا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کرے اور ناراض کرنے والے اعمال چھوڑ دے ۔

تقویٰ کی اس تشریح کی رو سے بعض لوگوں کی وہ غلط فہمی دور ہو جانا چاہیئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ صرف دل کی چیز ہے اعمال سے اس کا کچھ تعلق نہیں اعمال کچھ بھی ہوں دل میں تقویٰ ہونا کافی ہے کیونکہ انسان کے ظاہری اعمال اس کے اندرونی تقویٰ اور خوفِ خدا کے دلائل اور علامات ہوتے ہیں جیسا کہ ایمان دل میں چھپی ہوئی چیز کا نام ہے لیکن اس کا اظہار انسان افعال اسلام اور اس کے ظاہری اعمال سے کرتا ہے بعینہٖ اسی طرح تقویٰ اور خوفِ خدا کا حال ہے کہ جب تقویٰ اور خوفِ خدا انسان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے اعضاء سے خوفِ خدا والے اعمال پیدا ہوتے ہیں تقویٰ والے اعمال اس سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں لیکن جب انسان کا دل خوفِ خدا اور تقویٰ سے خالی ہوتا ہے تو اس سے تقویٰ والے اعمال کی جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے اعمال نکلتے ہیں اور اس کو ناراض کرنے والے اعمال نکلتے ہیں ۔

مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ جس شیشی میں عطر یا دیگر خوشبودار چیز

ہو گی تو اس کو جس جگہ کھولا جائے گا ہر جگہ اس سے خوشبو آئے گی اور جس شیشی میں
کوئی بدبودار چیز ہو گی جس جگہ میں بھی اس کو کھولا جائے گا اس سے ہر جگہ بدبو
آئے گی. غرض یہ کہ دودھ کی شیشی سے دودھ اور پانی کی شیشی سے پانی نکلے
گا. ایسا نہیں ہو گا کہ دودھ کی شیشی سے پانی نکلے یا پانی کی شیشی سے دودھ
نکلے . لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ان کے دل میں تقوٰی ہوتا ہے اگرچہ اعمال خلاف
اسلام ظاہر ہوتے ہوں انتہائی درجہ کی حماقت اور جہالت ہے۔

یہاں پر تقوٰی کے آثار کے سلسلہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا
استفسار اور حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کر دینا خالی از فائدہ
نہ ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت اُبیؓ بن کعبؓ جو کہ صحابہ کرام میں سے
سب سے زیادہ قاری اور قرآن کے عالم تھے سوال کیا تقوٰی کیا چیز ہے؟ حضرت
اُبیّ بن کعبؓ نے جواب دیا!

کیا آپ کبھی خاردار جنگل اور کانٹے دار تنگ راستہ سے نہیں گذرے ؟
حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں. حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا پھر وہاں پر آپ
کیسے چلتے ہیں ؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اپنے کپڑے اور دامن کو سمیٹ کر بڑی
احتیاط سے گذرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ کہیں کپڑے اور بدن میں کانٹے نہ لگیں.
حضرت اُبیّ بن کعبؓ نے فرمایا کہ یہی تقوی ہے .

یعنی دین کے راستے میں اس طرح چلنا کہ چاروں طرف سے کفر گمراہی معصیت
اور خدا کی نافرمانیوں کے جو کانٹے اور خاردار تاریں لگی ہوئی ہیں اپنے کپڑے
اور دامن کو اس سے بچا بچا کر چلتے رہیں .

تقوٰی کے درجات

① **تقوٰی کا ادنیٰ درجہ** کفر و شرک سے بچنا اور کفر و شرک والے اعمال سے

بچنا اور جملہ فرائض و واجبات بجالانا ۔

② **تقویٰ کا دوسرا درجہ** کفر اور شرک سے بچنے کے بعد، فرائض واجبات پر عمل کرنا ۔

کبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں سے بچنا جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر قسم کے کفر اور کفریات سے پرہیز کرتے ہوئے تمام فرائض اور واجبات اور ضروری حقوق العباد کو ادا کرنے والا بنے اور تمام ان جرائم اور گناہوں سے پرہیز کرے جن پر قرآن و حدیث میں عذاب اور سزا کی وعید اور دھمکی آئی ہے ۔ پھر کبھی غلطی ہو جاوے تو فوراً توبہ واستغفار کرے ۔

③ **تقویٰ کا تیسرا درجہ** آدمی تمام شرک و کفر سے بچتے ہوئے تمام فرائض، واجبات اور ضروری حقوق العباد کو ادا کرنے کے بعد سنن و مستحبات کو بھی ادا کرنے والا بنے اور تمام بڑے اور چھوٹے گناہوں سے پرہیز کرنے والا بنے ۔

④ **تقویٰ کا چوتھا درجہ** یہ درجہ اس سے اعلیٰ ہے ۔ آدمی مذکورہ بالا تینوں درجوں کو پورا کرنے کے بعد خدا کی راہ میں محنت و مجاہدہ میں اس طرح لگ جاوے کہ دنیاوی جائز اشغال اور مباح اعمال کو بھی چھوڑ دے ۔ کم سے کم کرے اور صرف رضائے الٰہی کو اپنا مقصد بنائے یہ تقویٰ کا مرتبہ زُہد ہے پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ نیت واخلاص اور ایمان کی قوت وضعف کے اعتبار سے بھی درجات ہیں جس کی صحیح معرفت اور پہچان آخرت میں انشاء اللہ لوگوں کے اعمال سے ظاہر ہوگی ۔

اس واسطے بچوں کو ابتدائی تعلیم کے موقع پر قرآن و حدیث سے تقویٰ والی آیات اور روایات کی خصوصی تعلیم دی جائے تاکہ ابتداء ہی سے ان کے صاف شفاف ذہن میں اس کی تاثیر جم کر جاوے ۔

اخوّت

قرآن وحدیث میں اخوت کے مضامین پر آیات اور روایات بے شمار ہیں ان کی تعلیم دی جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ اخوت سے مراد قرآن وحدیث میں اخوت ایمان اور اخوت اسلام ہے یعنی دین اسلام کے اعتبار سے جو بھائی چارگی ہوتی ہے اسی سے اخوت کا مظاہرہ کیا جائے اور اسی سے اخوت والا معاملہ کیا جائے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (حجرات ۱۰) کہ سب مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں

جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک نسبی بھائی اگر کافر ہے اور دوسرا نسبی بھائی مسلمان ہے تو اسلام جس اخوت کی اور اس کی بنیاد پر احکام کی تعلیم دیتا ہے اس سے مراد اخوت اسلام ہے اخوتِ نسبیہ کا فرہ نہیں ہاں اخوتِ اسلام کے رشتہ کے ساتھ ساتھ اخوتِ نسبیہ بھی جمع ہو جائے تو پھر اس کی اہمیت اپنی جگہ ہونی چاہیئے۔ اسلام اس سے انکار نہیں کرتا بلکہ اس کی قدر کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ قرابتداری صلہ رحمی کی نصوص اسی سلسلہ میں وارد ہیں۔

بہرحال اس اخوتِ اسلامی سے متعلق آیات واحادیث جمع کر کے بچوں کو پڑھائی جائیں اور سمجھایا جائے۔

رحمت

یہ اللہ کی صفت ہے حدیث میں ہے کہ جو شخص صفت رحمت کی حفاظت کرے گا تو یہ صفت اس کو جنت میں لے جائے گی لیکن رحمت کا خصوصی معاملہ انسانوں میں سے صرف مسلمانوں سے کیا جائے گا اور عمومی معاملہ ہر انسان کے ساتھ کیا جائے گا اِلّا یہ کہ جہاں پر قرآن وحدیث نے منع کیا ہے یعنی جہاں پہ رحمت والا معاملہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی

ہوتی ہو ایسی جگہ پر رحمت کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ	کافروں پر بہت ہی سخت ہیں اور
عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ	آپس میں ایک دوسرے پر رحم کا
بَيْنَهُمْ ۔ (الفتح ـ ۲۹)	معاملہ کرنے والے ہیں۔

آیت مذکورہ میں صحابہ کرامؓ کا سب سے بڑا کمال اور وصف یہ بیان گیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔ کفار کے مقابلہ میں سخت ہونا ان کا ہر موقع پر مشاہدے میں آتا رہا ہے کہ سب نے نسبی رشتوں ناتوں اور تعلقات اسلام کے لئے قربان کر دیئے نہ صرف یہ کہ کفر کو خیرباد کہا بلکہ کفر والوں کو بھی خیرباد کہا ہے۔

غرض یہ کہ دین کے معاملہ میں کفر یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی آجاتی ہے تو دین کو ترجیح دیا کرتے اور کفر اور نافرمانی کو چھوڑ دیا کرتے اور اس کے لئے کوئی کافر یا نافرمان رشتہ دار بھی مقابلہ کرتا تو اس سے مسلمان مقابلہ کرتے یہاں تک کہ دین غالب نظر آئے۔

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے آپس میں مہربان ہونا اور ایک دوسرے پر ایثار کرنے والا اور ہمدرد ہونا بھی صحابہ کرامؓ میں خوب ظاہر ہوا، خاص طور پر جبکہ مہاجرین وانصار میں مواخاۃ ہوئی اور انصاری مسلمان اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی تمام چیزوں میں شریک کرنے پر نہ صرف رضامند ہو گئے بلکہ ہر فرد نے بڑھ چڑھ کر پیشکش کی۔

جس کا حاصل یہ نکلا اسلام میں دوستی اور دشمنی، محبت اور عداوت کا دارو

مدار اور اخوت کی بنیاد دین اسلام پر ہے، قوم پرستی، نسل پرستی پر نہیں اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق جن سے دوستی کرنے کا حکم ہے ان سے دوستی کی جائے اور جن سے دشمنی رکھنے کا حکم ہے ان سے دشمنی رکھی جائے۔

لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسرے مسلمان سے رحمت اور ایثار و ہمدردی کا معاملہ کیا کرے، دین اسلام کی نصرت و حمایت کرے خصوصاً جبکہ دین اور لادینیت کا مقابلہ ہو جائے اور مسلمان خواہ اپنی قوم سے ہو یا نہ ہو۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ کافروں کے ساتھ ہمیشہ اور ہر موقع پر سختی کا معاملہ کیا جائے اور ان کے ساتھ ایثار اور ہمدردی کا معاملہ نہ کیا جائے بلکہ جب دین اور لادینیت کا مقابلہ نہ ہو کافر اور مسلمان کا مقابلہ نہ ہو تو اس صورت میں انسانی ہمدردی، خیر خواہی، صلہ رحمی، قرابت داری کی حفاظت کرنے کے لئے اسلام نے تعلیم دی ہے۔ کافر ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی مالی امداد اور ہر طرح کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے مگر یہ بھی کہا ہے کہ گناہ کے کاموں میں ان کی مدد نہ کی جائے ان کی ہمدردی کے نام سے دینی بے حمیت اور بے غیرتی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔

کافر پڑوسی سے مالی تعاون اور دوسری انسانی ہمدردی کی جائے مگر دین و ایمان کے دائرہ میں رہ کر کیا جائے۔ دین و ایمان کی حدود سے نکل کر کافر برادری کا اور کفر اور نافرمانی میں تعاون منع ہے، انسانی ہمدردی منع نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ان باتوں کے درمیان فرق نہیں کر پاتے اس واسطے دین پر طرح طرح کے اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔

بہر حال بچوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں انہیں باہمی رحم و ہمدردی، ایثار و ہمدردی کی تعلیم بھی دینی چاہیئے تاکہ وہ بڑے ہو کر ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ رحمت

والا معاملہ کریں، ہر انسان کے ساتھ ایثار اور ہمدردی والا معاملہ کریں۔ سنِ شعور تک بچوں کے اندر یہ صفات راسخ ہو جائیں اور اس جذبے سے وہ سرشار ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الرّاحمون یرحمھم الرّحمٰن	رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے
ارحموا من فی الارض یرحمکم	تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان
من فی السماء (ترمذی، ابوداؤد)	والا رحم کرے گا۔

یعنی بندہ جب دوسروں کے ساتھ رحمت اور مہربانی والا معاملہ کرتا ہے تو الرّحمٰن الرّحیم بھی اس کے ساتھ رحمت اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہے اور جب وہ دوسروں کے ساتھ رحمت اور مہربانی کا معاملہ نہیں کرتا تو اس کے ساتھ بھی رحم اور مہربانی کا معاملہ نہیں کیا جاتا ایسا آدمی شریعت کی نگاہ میں شقی اور بدبخت ہی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تنزع الرّحمۃ الّا من	رحمت کی صفت نہیں چھینی جاتی
شقیّ (ترمذی، ابوداؤد)	مگر بدبخت سے۔

دوسری حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لن تؤمنوا حتّٰی ترحموا	تم لوگ اس وقت تک کامل مومن نہیں
	بن سکتے جب تک رحم کا معاملہ نہ کیا کرو۔

دیکھئے! صفت رحمت کی اسلام میں کتنی اہمیت ہے کہ آدمی کا ایمان بھی اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جب بچے کی تربیت اس طرح کی جائے گی تو بڑے ہو کر نہ صرف یہ کہ وہ انسانوں کے ساتھ بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی رحم اور مہربانی کا معاملہ کرے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک دنبے کو ذبح کرنے کے لئے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا تجھے کیا ہو گیا اس کو موت

کی جانب نرمی سے کھینچ کر لے جا!

اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جب جانور کو ذبح کرنے لگو تو چھری کو خوب تیز کرو اور اس کو اچھی طرح نرمی سے لٹا کر ذبح کیا کرو۔

بعض لوگ جانور پالتے ہیں لیکن ان کے کھلانے پلانے کی طرف اتنا دھیان نہیں دیتے انہیں بھوکا پیاسا چھوڑتے ہیں یہ انتہائی درجہ کی بدبختی اور شقاوتِ قلبی کی علامت ہے۔ قیامت کے روز اس بارے میں مواخذہ ہوگا لہٰذا جو لوگ جانور کو پالتے ہیں انہیں ان کا بہت ہی خیال کرنا چاہیئے۔ کیا پتہ کہ اللہ تعالےٰ کس عمل کی برکت سے بندہ کی لغزشوں کو معاف کردے اور جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دے دے۔

حقوق الناس کی تعلیم

بچوں کی تربیت میں حقوق الناس کی تعلیم بھی ایک اہم اور لازمی چیز ہے کیونکہ انسان جب بچپن ہی سے حقوق الناس کی تعلیم حاصل نہیں کرے گا اس کو نہ والدین کے حقوق کا علم ہوگا نہ رشتہ داروں کے حقوق کا پتہ ہوگا نہ ہی استادوں، پڑوسی، دوستوں وغیرہ دوسرے انسانوں کے حقوق کی معرفت ہوگا۔ اس واسطے ضروری ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں حقوق الناس کی خصوصی تعلیم و تربیت دی جائے۔

حقوق العباد اور حقوق الناس کے موضوع پر کوئی ایک دو کتابیں پڑھائی جائیں اور عملی طور پر اس کے لئے مشق بھی کرائی جائے درجہ بدرجہ اَلْاَقْرب فَالْاَقْرب سب کے حقوق کی تعلیم دی جائے جس میں:

- والدین کے حقوق
- رشتہ داروں کے حقوق
- اساتذہ کے حقوق

- والدین کے دوستوں کے حقوق ۔
- پڑوسی کے حقوق ۔
- اپنے متعلقین اور دوستوں کے حقوق ۔
- ہر بڑے اور چھوٹے کے حقوق ۔
- بیوی اور شوہر کے باہمی حقوق وغیرہ ۔

جب اس طرح حقوق کی تعلیم دی جائے گی تو بچے بڑے ہو کر انشاء اللہ والدین کی نافرمانی نہیں کریں گے اساتذہ سے بے ادبی نہیں کریں گے دوستوں اور پڑوسی سے نہیں لڑیں گے، میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کم سے کم ہوں گے۔ معاشرہ میں بگاڑ کی جگہ اصلاح کا ماحول نظر آئے گا سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں پہ شقاوت اور بدبختی کی ابدی مہر لگی ہوئی ہو گی۔ ان کے لئے تو قرآن وحدیث کی تعلیم بلکہ دنیا بھر کی تعلیم سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔

عفو اور درگذر کرنے کی تعلیم

عفو اور درگذر کرنا دراصل خدا کی صفات میں سے ہے قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر اس صفت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے گناہوں اور جرائم کو معاف فرمانے کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے بندوں کو اس کا حکم دیا ہے کہ تم بھی اپنے بھائیوں اور دوسرے انسانوں سے عفو اور درگذر کرو یہ تمہارے واسطے بہتر ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وأن تعفوا أقرب للتقوى ولا تنسوا الفضل

اور تم درگذر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے اور نہ بھلاؤ آپس میں احسان کرنے کو ۔

دوسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا	اگر معاف کر دو اور درگذر کر دو اور
وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ	بخش دو، تو بے شک اللہ بہت
غَفُوْرٌ الرَّحِیْم (تغابن ۔ ۱۴)	بڑا معاف کرنے والا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے اگر تم اپنی بیوی بچوں کو جو کہ تعلیم و تربیت کے باوجود ناسمجھ ہیں تمہارے مخالف ہیں سمجھانے سے وہ سمجھتے نہیں ہیں اور تمہارے دشمن کی طرح بنے ہوئے ہیں معاف کر دو یعنی سزا نہ دو درگذر کر جاؤ یعنی زیادہ ملامت بھی نہ کرو اور بخش دو یعنی دل و جان سے ان کے قصوروں کو بھلا دو تو اللہ تعالےٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

ایک اور جگہ حق جلّ مجدہٗ کا ارشاد ہے۔

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ	اور جو غصّے کو دبالیتے ہیں اور معاف کر دیتے
وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔	ہیں لوگوں کو اور اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے
(آل عمران ۔ ۱۳۴)	احسان کرنے والوں کو۔

یعنی جو لوگ اپنے غصّے کو دبالیتے ہیں اور لوگوں کا قصور معاف کر دیتے ہیں یہ لوگ نیکوکار ہیں احسان کرنے والے ہیں اللہ تعالےٰ ایسے نیکوکاروں اور احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے خوش اور راضی ہوں گے انہیں بے حساب اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کر دینا واقعی انسانی اخلاق میں ایک بڑا درجہ رکھتا ہے اور اس کا ثواب آخرت میں بڑا اعلیٰ ہے۔

قرآن کریم میں ایک جگہ میں احسان کرکے معاف کرنے کو ایک ایسا خلقِ عظیم

قرار دیا ہے جس سے دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں ۔

چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ	آپ نیکی سے بدی کو ٹال دیجئے تو
فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ	یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں
وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ	عداوت ہے وہ ایسا ہوگا جیسا دلی
وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔	دوست ہے ۔

یعنی اگر کوئی شخص آپ سے برائی کا معاملہ کرتا ہے تو آپ اس سے بھلائی کا معاملہ کریں اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر واقعی اس کے اندر انسانیت ہے تو شرمندہ ہو جائے گا آپ کا دشمن نہ رہے گا دوست بن جائے گا آئندہ برائی کا ارادہ نہیں کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

من كظم غيظا وهو	جو شخص اپنے غصے کو نافذ کرسکتا ہو لیکن
يستطيع ان ينفذه	پھر وہ اپنے غصے کو پی جاوے تو اللہ تعالیٰ
دعاه الله يوم القيامة	قیامت کے روز اس شخص کو تمام مخلوق
على رؤس الخلائق	کے سامنے بلاکر فرمائے گا کہ حوروں میں
حتى يخيره فى اى حور	سے جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہو
العين شاء (ابوداؤد)	پسند کرلو ۔

معلوم ہوا کہ عفو اور درگذر کرنے کا شریعت میں بڑا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے لوگوں کے بڑے درجات ہیں لیکن یہ عفو اور درگذر کرنا ان مواقع میں قابل اجر اور موجب ثواب ہوگا جہاں کسی کا کسی پر حق آرہا ہو اور جرم کا تعلق کسی شرعی حد اور متعین سزا سے نہ ہو اور دین اسلام کے کسی شعار اور ضروریات

دین کی بے حرمتی اور توہین سے متعلق نہ ہو کیونکہ جرم کا تعلق اگر کسی شرعی حدود سے ہے تو پھر ثبوتِ جرم کے بعد اس میں معافی کا اختیار کسی حاکم اور رعایا کو نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص اگر زنا، چوری، شراب پینے کے جرم میں پکڑا گیا اور شرعی گواہوں سے ان باتوں کا ثبوت مل گیا ہے تو ثبوت ملنے کے بعد ان پہ حد جاری کرنا اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حاکم اور اس کے نائب کے ذمہ واجب ہے حاکم یا کوئی بڑی شخصیت ـــ شرعیہ میں سے کسی حد کو معاف نہیں کرسکتا اور یہ کسی "بنیادی حقوق" کے خلاف نہیں ہے، نہ ہی انسانیت کے خلاف ہے بلکہ سزا نہ دینا اور معاف کرنا ہی غلط اور حرام ہے۔ اگر یہ شخص جرم کے بعد پکڑا نہیں گیا اللہ تعالےٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ تعالےٰ کے حوالہ ہے اگر یہ توبہ کرتا ہے تو اللہ چاہے گا تو معاف کردے گا، چاہے گا تو عذاب دے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص شعائرِ اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد قرآن و حدیث یا کسی ضروری حکمِ شرعی کی توہین کرتا ہے یا انکار کرتا ہے تو وہ کافر اور مرتد بن جاتا ہے تو اگر توہین یا انکار کرنے والا شخص اپنے جرمِ ارتداد سے توبہ نہیں کرتا تو اسے معاف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی گردن زنی واجب ہے۔

لقوله علیه السلام من بدّل دینه فلیقتله .

یعنی جو شخص اپنا دین بدل دیتا ہے اسے قتل کردو۔

بہرحال باہمی انسانی حقوق میں عفو اور درگذر کرنا بہت ہی اچھی صفت اور اچھی خصلت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بھی تو قرآن کے اندر فرماتا ہے کہ وہ انسان کے بے شمار گناہوں کو خود ہی معاف کردیتا ہے مواخذہ بعض پر کرتا ہے وہ اس لئے تاکہ بندہ حق تعالےٰ کی طرف رجوع کرے گناہوں کو دنیا ہی میں معاف کرالے۔

بڑوں کی تعظیم

بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت یہ بھی اچھے اخلاق میں سے ہیں اور ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ بڑوں کی تعظیم کرے اور چھوٹوں پر شفقت کرے۔ ہمارے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من لم یرحم صغیرنا ولم	جو ہمارے میں سے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور
یوقر کبیرنا فلیس منا۔	بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے

حدیث میں بڑوں کی تعظیم نہ کرنے اور چھوٹوں سے شفقت کا معاملہ نہ کرنے پر بڑی وعید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اپنی امت سے خارج کر دیا۔ اس واسطے ضروری ہے کہ بچوں کو اس کی بھی تعلیم دی جائے اور عملاً اس کی تربیت دی جائے کہ بڑوں کی تعظیم کرے خواہ والدین ہوں یا استاد یا دوسرے عزیز و اقارب یا کوئی اجنبی ہو بعض لوگوں میں اس کا تو اہتمام ہے کہ اپنے والد یا بھائی یا رشتہ داروں میں سے کوئی بڑا ہوتا ہے تو اس کی عظمت اور وقار کا خیال کیا جاتا ہے لیکن دوسرے مسلمانوں کے معاملہ میں اس کا خیال نہیں کیا جاتا۔ یہ غلط بات ہے بلکہ ہر بڑے کی عظمت اور وقار کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

حدیث میں اپنے عزیز رشتہ دار یا واقف کار کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ مطلقاً ہر بڑے کی تعظیم کا حکم ہے اور ہر چھوٹے کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرنے کا امر ہے اس کے خلاف کرنے پر وعید ہے اس واسطے بچوں کو ان چیزوں کی تعلیم عام ہونی چاہیئے۔

① نرمی سے بات کرنا ان کے ادب واحترام کا خیال کرنا۔
② مشورہ کا موقع ہو تو بڑوں سے قبل اپنی رائے ظاہر نہ کرنا۔
③ اپنی آواز کو ان سے بلند نہ کرنا۔
④ بڑا کوئی آجائے تو اٹھ کر ان کو سلام کرنا اور مصافحہ کرنا مگر کوئی عذر ہو تو دوسری بات ہے۔
⑤ بڑوں کے ہمراہ پیچھے پیچھے چلنا آگے نہ چلنا۔
⑥ گفتگو کے دوران بڑوں کی بات کو نہ کاٹنا ہاں کوئی رائے دینا ہو تو نرمی اور ادب سے اس کا ذکر کرنا۔
⑦ بڑوں کے سامنے ہنسی مذاق نہ کرنا۔
⑧ بڑوں کے سامنے بغیر عذر کے ٹانگیں پھیلا کر نہ بیٹھنا وغیرہ۔
⑨ کہیں بیٹھنا ہو تو سب سے پہلے بڑوں کے بیٹھنے کا انتظار کرنا ان سے قبل نہ بیٹھنا مگر یہ کہ کوئی عذر ہو۔
⑩ بڑوں کا کوئی کام ہو اگر شرعی یا طبعی عذر نہ ہو تو اس کو کر دینا اور اگر عذر ہو تو اس کو بیان کر کے معذرت چاہنا۔

اس طرح بڑوں کی تعظیم سے شرعی حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور اس پر اجر اور ثواب ملتا ہے اس کے ساتھ بڑوں کی جانب سے دعا اور شفقت و محبت بھی ملتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ایسی اولاد سے راضی اور خوش ہوتے ہیں۔

حق گوئی کی تعلیم

بچے کو بچپن سے حق گوئی اور راست بازی کی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ خود بھی حق پر قائم رہے اور دوسروں کو بھی حق پر قائم رہنے کی دعوت دے سکے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست باز اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔
(توبہ ۔ ۱۱۹)	

صادق دل وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر حال میں اپنے قول و عمل میں سچے ہوتے ہیں سچ اور حق بولتے ہیں اور جب تعاون و تناصر کا وقت آتا ہے تو سچے اور حق گو لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ انسان جھوٹ اور معصیت سے بچ جاتا ہے، شیطان کے پھندے سے محفوظ ہو جاتا ہے شیطان اور اس کے دوستوں کو معاشرہ میں جھوٹ پھیلانے کا موقع نہیں ملتا۔ معاشرہ میں فتنہ و فساد کم سے کم ہوتا ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر اس کی تاکید فرمائی ہے۔

حق تعالیٰ کا دوسری جگہ ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝	اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور سیدھی اور سچ بات کیا کرو۔
(احزاب ۔ ۷۰)	

یعنی اپنے قول میں سچے رہو جب فیصلہ کرو سچ اور حق کے مطابق فیصلہ کرو جب گواہی دو تو حق بات کی گواہی دو اور جب حمایت کرنے لگو تو سچ کہنے اور بولنے والوں کی حمایت کرو! دوستی کرو تو سچ اور راست باز لوگوں سے دوستی کرو! تعلقات اور رشتہ داری قائم کرو تو سچے اور راست باز لوگوں کے ساتھ قائم رکھو خواہ یہ لوگ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ہوں یا غیروں میں سے خواہ یہ سچ اور حق کہنا اپنے عزیزوں کے خلاف جاوے یا اپنی برادری اور قوم کے۔ اس سے سچ اور حق کا بول بالا ہوگا جھوٹ اور ظلم کا رواج معاشرہ میں کم ہو

جائے گا۔

حدیث شریف میں تو یہاں تک ہے کہ اگر بادشاہ کے خلاف اور اس کے سامنے بھی حق بات کہنا پڑے پھر بھی حق بات ہی کہی جائے جھوٹ سے بچا جائے۔ چنانچہ حدیث میں ایسے موقع پر حق گوئی کو جہاد قرار دیا گیا ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الجهاد كلمة حقٍّ عند سلطان جائر (ترمذی، ابوداؤد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق یعنی حق بات کو ظاہر کرنا ہے۔

دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات جو کہ اس کے خلاف جا رہی ہے اس کو ظاہر کرنے کو افضل الجہاد قرار دیا ہے تو دوسرے عزیز و اقارب قوم یا برادری کی کیا حیثیت ہے ظالم بادشاہ کے سامنے حق گوئی سے آدمی کو جتنا ڈر اور خوف معلوم ہوتا ہے تو دوسرے لوگوں سے تو اتنا ڈر اور خوف بھی نہیں ہوتا ایسے موقع پر سچ اور حق کو چھوڑ کر جھوٹ اور باطل کی حمایت کیسے جائز ہوگی؟ جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوں گے۔ آج کل ہر معمولی اور ہر بڑی باتوں میں بعض لوگ برادری اور قومیت کی خاطر ظلم اور ناحق کی حمایت کرنے لگتے ہیں، حق بات کہتے بھی نہیں حق بات کی گواہی بھی نہیں دیتے، ایسے لوگ درحقیقت ایمان اور تقویٰ کے تقاضے کو پورا کرنے کے بجائے کفر اور فسق کی حمایت کرتے ہیں خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی تعمیل چھوڑ کر قوم برادری یا سیاسی بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ أعاذنا اللہ منھم ومن اعمالھم وأفعالھم۔

بہر حال اپنے بچوں کو اس بات کی تعلیم دینی ہے کہ ہمیشہ سچ اور حق بات کہو۔

سچ اور حق پر قائم رہو اور اس کی نصرت اور حمایت کرتے رہو۔ جھوٹ اور ظلم سے بچو۔ کسی بھی موقع پر ظلم اور باطل کی حمایت مت کرو۔ اللہ تعالےٰ حق ہے حق کو اور حق گو کو پسند کرتا ہے۔ ظلم، جھوٹ، ناجائز نصرت وحمایت کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے

داد و دہش اور دوسری چیزوں میں اولاد کے درمیان مساوات قائم رکھنا والدین پر اولاد کا حق ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ داد و دہش میں ہبہ اور عطیہ میں بھی برابری کی جائے ایسا نہ ہو کسی کو زیادہ کسی کو کم یا بالکل محروم کر دیا جائے نیز عدل اور انصاف کا تقاضا بھی ہے کہ جب کوئی چیز دیوے تو سب کو برابر دے۔ اس سے اولاد میں باہم محبت رہے گی اتفاق و اتحاد رہے گا کسی کے دل میں دوسرے کے لئے کینہ اور حسد پیدا نہ ہوگا۔ پھر اولاد اور والدین میں محبت و احترام کا تعلق صحیح رہے گا۔

اس کے برخلاف اگر بعض اولاد کو عطیہ اور ہبہ میں کچھ زیادہ دیا گیا اور بعض اولاد کو کم دیا گیا یا بالکل محروم کر دیا گیا جیسا کہ بعض لوگوں اور بعض علاقوں میں یہ رواج ہے خاص طور پر لڑکوں کو عطیہ اور ہبہ خوب دیتے ہیں لڑکیوں کو دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں یا بالکل دیتے ہی نہیں جس کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے یہ بالکل صریح ظلم اور خلافِ عدل بات ہے۔

اس سے اولاد اور والدین کے درمیان اختلافات پیدا ہوتے ہیں ایک دوسرے سے بدظنی پیدا ہوتی ہے۔ لڑنے اور مرنے تک کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب والدین انصاف اور عدل سے کام نہیں لیتے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں بڑی تاکید فرمائی ہے کہ اولاد کے درمیان انصاف اور عدل کا معاملہ کیا جائے اور ظلم اور خلافِ عدل و

انصاف کام سے پرہیز کیا جائے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن أباه أتى	حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میرے
به الى رسول الله	والد مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
صلى الله عليه	خدمت میں حاضر ہوئے (ایک روایت میں
وسلم فقال	ہے کہ گود میں لے کر حاضر ہوئے) اور رسول اللہ
انّى نحلت	صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ
مثله قال لا	میں نے اس بیٹے کے نام ایک غلام ہبہ کر د
قال فارجعه	ہے دوسری روایت میں ہے کہ ایک باغ ہبہ
وفى رواية	کر دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
انه قال أيسرّك	ان سے پوچھا اپنے سب بچوں کو اتنا ہی دیا
ان يكونوا إليك	ہے انہوں نے عرض کیا اوروں کو تو نہیں دیا
فى البرّ سواءً،	صرف اسی لڑکے یعنی نعمان کو دیا ہے آپؐ نے
قال بلى، قال فلا	فرمایا پھر تو یہ تقسیم ٹھیک نہیں اور فرمایا اس
إذًا (مشکوٰۃ ص ۲۶۱)	کو واپس لے لو۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد تمہاری فرمانبردار بن جائے اس نے عرض کیا حضرت یہ تو چاہتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا پھر ایسا نہ کرو یعنی دوسروں کو بھی ان کو محروم نہ رکھو۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے ایک دوسری روایت ہے جس میں انہوں نے مذکورہ واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

کہ میرے والد نے میری والدہ کے اصرار پر میرے لئے کچھ ہبہ کیا میری

والدہ عمرہ بنت رواحہ نے میرے والد سے کہا میں آپ کے اس ہبہ پر
تب مطمئن ہوں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہبہ کا گواہ
بنایا جائے۔ چنانچہ میرے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مجھے
لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عمرہ بنت رواحہ سے جو
بچہ نعمان ہے میں نے اس کے لئے کچھ ہبہ کیا ہے اور اس کی ماں نے
تاکید کی ہے کہ میں آپ کو اس کا گواہ بنا دوں اور آپ کی منظوری
سے اس چیز کو پکا کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے
پوچھا کہ تم نے اپنے دوسرے بچوں کو بھی ایسا ہی اور اتنا ہی دیا ہے
انہوں نے عرض کیا کہ اوروں کو تو نہیں دیا آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ
تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔
حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد
پر والد صاحب نے اپنے ہبہ سے رجوع کر لیا جبکہ آپ نے یہ بھی فرمایا
کہ میں اس بے انصافی کے معاملہ میں گواہ نہیں بن سکتا۔ (مشکوٰۃ ص۲۶۱)

تشریح: حدیث مذکور کے مضمون سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ داد دہش
میں اولاد کے درمیان عدل اور انصاف کرنا چاہیئے اور ترجیحی سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔
اسی حدیث کی بنا پر بعض فقہاء کرام نے اپنی اولاد میں بعض سے ترجیحی سلوک
کو خالص ظلم اور ناجائز و حرام قرار دیا ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ
نے دوسرے قرائن اور دلائل کی بنیاد پر ایسے ترجیحی سلوک کو حرام تو نہیں کہا البتہ مکروہ
اور سخت درجہ کا ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے جبکہ اس ترجیحی سلوک کے لئے کوئی
معقول اور شرعی وجہ نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی معقول اور شرعی وجہ ہو تو کسی کو
زیادہ اور کسی کو کم بھی دیا جا سکتا ہے مثلاً:

① ایک لڑکا ضعیف ہے دماغی توازن ٹھیک نہیں یا صحت کے لحاظ سے کمزور ہے دوسری اولاد کی طرح محنت نہیں کر سکتا کمانے کی صلاحیت اتنی نہیں ہے تو اس کے ساتھ خصوصی رعایت کی جا سکتی ہے۔

② اولاد میں سے کوئی بچہ جسمانی لحاظ سے مستقل طور پر معذور ہے تو اس کی خصوصی رعایت جائز ہے۔

③ کوئی لڑکا عالمِ دین تو ہے مگر تجارت میں زیادہ مہارت نہیں رکھتا یا علومِ دینیہ کے تعلیم و تعلّم کی مشغولیت کی وجہ سے تجارت اور کاروبار میں زیادہ وقت نہیں لگا سکتا تو اس کے ساتھ بھی خصوصی رعایت کی جا سکتی ہے۔

④ اسی طرح اگر کچھ بچے کاروبار میں شریک ہو کر زیادہ محنت کرتے ہیں مگر بعض دوسرے اتنی محنت نہیں کرتے۔ تو محنت کرنے والے بچوں کو بطور حقِ محنت یا اُجرت اگر کچھ زیادہ دے دیں تو گنجائش ہے پھر ہمیں اس میں دوسری اولاد کی رضامندی بھی شامل ہو تو سب سے بہتر ہے۔

بہرحال بلا کسی شرعی اور معقول وجہ کے اولاد کے درمیان ترجیحی سلوک کرنا بے انصافی کی بنیاد ڈال کر آپس میں اختلاف اور ٹکراؤ پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے لہٰذا اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا داد و دہش یعنی عطیہ اور ہبہ میں سب اولاد کے درمیان مساوات اور برابری کا معاملہ کرو اور فرمایا اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں یعنی لڑکیوں کو ترجیح دیتا یعنی عام عطیہ اور ہبہ میں اگر مساوات اور عدل ضروری نہ ہوتا تو میں لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کو ترجیح دیتا۔

اسی حدیث کی بناء پر ہمارے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ زندگی میں اگر کوئی اپنی اولاد میں جائیداد کو تقسیم کرنا چاہے تو اس کے لئے سب سے زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکیوں کو اتنا حصہ دیا جائے جتنا لڑکوں کو دیا جاتا ہے یعنی لڑکی کو لڑکے کے برابر حصہ دیا جائے ہاں لڑکوں کی محنت اور مشقت کو دیکھ کر اگر مرنے کے بعد کی طرح ان کے مقابلہ میں لڑکیوں کو نصف دیا جائے تو گنجائش ہے مگر مقصد اس سے لڑکیوں کو ضرر اور نقصان پہنچانا نہ ہو بلکہ لڑکوں کے حق محنت کا ادا کرنا ہو. بہر حال زندگی میں جب جائیداد تقسیم کی جائے تو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے. لیکن ماں باپ کے انتقال کے بعد وراثت کی تقسیم تو اسی طرح ہو گی جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ لڑکوں کو دہرا اور لڑکیوں کو اکہرا ملے گا.

اسی طرح اپنی اولاد کے شادی بیاہ کے اخراجات میں بھی اپنی استطاعت کے مطابق برابری کرنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ ایک لڑکے کی بیوی کو پانچ تولہ زیورات دئے دوسرے کی بیوی کو دس تولہ دے دیں. ایک لڑکی کو سامان جہیز زیادہ دے دیں اور حیثیت ہوتے ہوئے دوسری لڑکی کو کم دیں. حیثیت میں فرق پڑا تو معذوری ہے لیکن حتی الامکان عدل اور انصاف کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے نیز جس طرح نکاح سے قبل برابری ضروری ہے نکاح کے بعد بھی معاملات اور برتاؤ میں کچھ دینے لینے میں برابری کرنی چاہیئے اسی طرح اگر مکان دلانا ہے تو ہر لڑکے کو برابر برابر مالیت کا مکان دلایا جائے، دکان دلائی جائے تو برابر مالیت کی دلائی جائے اور لڑکیوں کو مکان اور دکان کی جگہ رقم بھی دی جا سکتی ہے اور اگر بعض اولاد کو کاروبار کرنے کے لئے کچھ رقم ہبہ کر دی گئی تو دوسری اولاد کو بھی اتنی رقم ہبہ کر دی جائے تو عدل اور انصاف قائم رہے گا.

بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کی شادی پر جو کچھ خرچ کرنا ہوتا ہے

خرچ کر لیتے ہیں لیکن مکان، دکان اور دوسری جائیداد میں ان کو حصہ دار نہیں سمجھتے یہ عمل اور رواج بالکل غلط ہے۔ شریعت کے اصول یعنی قرآن وسنت کے خلاف ہے بلکہ اس کی واضح مخالفت ہے۔

ازروئے قرآن و حدیث لڑکیاں بھی اپنے ماں باپ کی تمام جائیداد میں حصہ دار ہوں گی ان کو بھی برابر کا حصہ دینا چاہیئے یا کم از کم لڑکوں کے نصف حصہ دینا چاہیئے ورنہ والدین گنہگار ہوں گے قیامت کے روز لڑکیوں کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرنے کی بنا پر عذاب اور سزا ہوگی۔

اولاد جب نکاح اور شادی کے قابل ہو جائے تو ان کی شادی کرادینا والدین اور سرپرستوں پر لازم ہے یہ بھی اولاد کا حق ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کی یہ بھی ذمہ داری بتلائی ہے کہ جب لڑکا یا لڑکی نکاح کے قابل ہو جائے تو ان کے نکاح کا بندوبست کیا جائے اور تاکید سے فرمایا کہ شادی کے قابل ہو جانے کے بعد اس معاملہ میں غفلت اور سستی بالکل نہ کریں۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالےٰ نے اولاد کی نعمت سے سرفراز کیا تو اس کو چاہیئے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے اور سلیقہ سکھائے پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے اگر اس نے اس کی شادی کرانے میں کوتاہی کی اور اپنی غفلت اور کوتاہی سے جلدی نکاح کا بندوبست نہیں کیا اور اولاد کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی تو باپ اور سرپرست اس کا ذمہ دار ہے۔

(شعب الایمان)

تشریح :- حدیث مذکورہ میں اولاد کے شادی کے قابل ہو جانے کے بعد ان کے نکاح اور شادی کا بندوبست کرنا باپ کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے اور یہی حکم باپ کے نہ ہونے کی صورت میں ہر سرپرست کا بھی ہے خواہ بھائی ہو یا چچا یا دوسرا رشتہ دار۔

بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس میں بڑی کوتاہیاں ہو رہی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اولاد خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ان کے نکاح کو بہت بڑا بوجھ اور بھاری خرچ والا بنا لیا ہے اور سماجی و معاشرتی رسم و رواج کی پیروی کو زندگی اور شادی بیاہ کا نصب العین بنا لیا ہے بلکہ جب تک اتنا خرچہ نہ ہو، بنگلہ نہ ہو اور جب تک فلاں فلاں چیز نہ ہو شادی نہیں ہو سکتی اور ہم نے نکاح اور شادی کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ اور اسوۂ حسنہ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

شادی اگرچہ بالغ ہونے سے قبل بھی جائز ہے لیکن بلوغ کے بعد تو بہت ضروری امر ہے عام طور پر پاکستان ہندوستان کی لڑکیاں بارہ سے پندرہ سال کے درمیان بالغ ہو جاتی ہیں لہٰذا بالغ ہونے کے بعد ان کے پردہ کا اہتمام کرنا اور ان کی پاکیزہ زندگی کی حفاظت کرنا والدین کے ذمہ فرض ہے۔

لہٰذا پندرہ سال گذرنے کے بعد بیس سال کے اندر اندر تو لڑکیوں کا نکاح کر دینا چاہیئے کیونکہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق معصوم بچیاں فتنے اور فساد میں واقع ہو جاتی ہیں اور اب تو اس کے اثرات عام مشاہدے میں آ رہے ہیں اور یہ سمجھ لینا کہ شادی سے قبل گناہ کی زندگی گذارنا، پردہ نہ کرنا کوئی عیب کی بات نہیں، کھلی بے دینی اور گمراہی کی بات ہے۔

اور ہمارے معاشرہ میں لڑکے عموماً چودہ پندرہ سال میں بالغ ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا ضروری تعلیم و تربیت مکمل کرنے کے بعد بیس سے پچیس سال کے اندر اندر ان کا نکاح بھی کر دینا چاہیئے۔ بیس پچیس سال کے بعد جوانی کی تیزی کا زمانہ ہے گناہ کا خطرہ رہتا ہے۔ بر وقت شادی نہ کرانے کے بے شمار نقصانات ہیں۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے دو بچوں کے خطوط نقل کر دیئے ہیں۔ سرپرستوں اور والدین کو چاہیئے کہ ان خطوط کو بار بار پڑھیں اور اپنی اولاد کے بارے میں فکر کریں۔

عن عمر بن الخطاب وانس بن مالك رضي الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثني عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثماً فاثم ذالك عليه۔ (رواه البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ۔

حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان فرمائی ہے آپ نے فرمایا کہ توراۃ میں یہ بات تحریر ہے کہ جس شخص کے یہاں لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور اس نے شادی نہیں کی پھر لڑکی اگر گناہ میں مبتلا ہوئی تو لڑکی نے جو گناہ کیا ہے اس کا ذمہ دار یہ شخص ہوگا۔

تشریح : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ کے حوالہ سے جو حکم بیان فرمایا ہے اور اس پر نکیر نہیں فرمائی تو یہ حکم ہمارے (یعنی امت محمدیہ کے) لئے بھی حجت اور دلیل بنتا ہے لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ یہ تو توراۃ کا حکم ہے ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔

باقی اسی حدیث میں بارہ سال کی لڑکی کا نکاح کر دینے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ عرب کے علاقہ میں لڑکیاں عموماً ۹ سے ۱۲ سال میں بالغ ہو جاتی ہیں اس لئے آپ نے فرمایا کہ لڑکیوں کے بالغ ہو جانے کے بعد ان کا نکاح کر دینا چاہیئے،

تاکہ کسی قسم کا گناہ ان سے سرزد نہ ہو عفت اور پاکیزگی کے ساتھ شوہر کے حوالہ ہو جائے
مقصد حدیث کا بارہ سال کی تحدید نہیں ہے بلکہ بلوغ اور سن شعور مراد ہے۔
لڑکیاں جب بالغ او راس شعور کو پہنچ جائیں اور مناسب رشتہ بھی مل جائے تو بلا تاخیر
ان کی شادی کر دی جائے۔

بلا وجہ شرعی (جیسا کہ آج کل رواج ہے کہ تعلیم اتنی دلانی ہے عمر ۲۰، ۲۲ سے
زائد ہوتی ہے، لڑکا فلاں فلاں شرائط کا مالک ہونا چاہیئے) تاخیر نہیں کرنی چاہیئے
کیونکہ مناسب رشتے آنے کے بعد اگر غیر ضروری امور کی غرض سے شادی نہیں کی
جاتی اور لڑکی گناہ کی مرتکب ہو جاتی ہے تو اس کا گناہ ماں باپ پر اور سرپرست
پر بھی ہوگا لیکن اگر واقعی کسی عذر سے (مثلاً رشتہ نہ آنے، کفو (برابر کے خاندان)
نہ ملنے یا کوئی لڑکا دیندار نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری کے سبب، شادی نہیں ہو
رہی ہے پھر اگر لڑکی نے غلطی کی ہے تو اس کا گناہ ماں باپ یا سرپرست کو نہ ہوگا۔

مگر موجودہ دور میں بعض والدین اور سرپرست اپنے بالغ لڑکے کی شادی اس
لئے نہیں کراتے کہ تعلیم مکمل نہیں ہوتی یا لڑکا کاروبار میں نہیں لگا یا ملازمت نہیں
ملی یا بیرون ممالک بھیجنے کا پروگرام ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر اس اثناء میں جوان لڑکے
گناہ آلود زندگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کا گناہ ماں باپ اور سرپرست کو
بھی ہوگا۔ اسی طرح لڑکی بالغ اور جوان ہو گئی لیکن ابھی دنیوی تعلیم کالج یا یونیورسٹی
کی مکمل نہیں ہوئی یا تعلیم تو مکمل ہوئی لیکن کوئی مناسب آمدنی کی نوکری نہیں ملتی
یا مکان یا بلڈنگ بنانے کا پروگرام ہے اس میں دیر ہے وغیرہ وغیرہ فضول اور
غیر ضروری اعذار کی بنا پر شادی میں تاخیر کر دیتے ہیں۔ ادھر سے لڑکی کی جوانی
جاتی رہی اور بے شمار گناہوں کے اسباب میں وہ پھنسی ہوتی ہے کچھ کہہ سکتی ہے
نہ کر سکتی ہے ایسے حالات میں ان لڑکیوں کا گناہ بھی والدین اور سرپرستوں پر ہوگا

شادی بیاہ کا پیغمبری معیار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شادیاں کی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے جگر گوشوں یعنی صاحبزادیوں کے بھی نکاح کرائے لیکن آپؐ نے نہ لمبے چوڑے سامانِ جہیز کا انتظام کیا نہ ہی شادی کرنے والوں کے ذمہ لمبی چوڑی شرائط کی فہرست دی بلکہ آپؐ نے جب دیکھا کہ صاحبزادیاں نکاح کے قابل ہو گئیں اور مناسب گھرانے کے لڑکے مل گئے تو نہایت ہی سادہ طریقہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ سب صاحبزادیوں کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں صرف نمونہ کے لئے جگر پارہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا حال پڑھیئے اور آپؐ پر قربان جائیے اور سبق حاصل کیجئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے واسطے متعدد حضرات صحابہؓ نے پیغام دیا لیکن آپؐ نے سکوت فرمایا بلکہ یہ فرمایا حکم الٰہی کا منتظر ہوں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا تو آپؐ نے حکم الٰہی سے منظور فرمایا یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علیؓ کے نکاح میں دینے کے اندر حکم الٰہی شامل تھا جبکہ حضرت علیؓ مالدار نہ تھے نہ کوئی تاجر یا دکاندار تھے بلکہ آپ کے پاس تو حق مہر ادا کرنے کے لئے کوئی رقم بھی جمع نہ تھی نہ بیوی کے ساتھ رہنے کے لئے کوئی مکان تھا۔ صرف علم اور تقویٰ تھا، عمر مناسب تھی خاندان اچھا تھا بس لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دنیوی ہنر، کسی بلڈنگ اور کسی تجارت کو نہیں دیکھا۔ پھر آپؐ نے حق مہر کے بارے میں حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا جنگ بدر میں جو ذرع مالِ غنیمت کے حصہ میں ملی تھی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اس کو فروخت کر دو اور کچھ کپڑے خوشبو خرید لو باقی مہر فاطمہ کو دے دو! حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اس کو فروخت کر دیا۔ ۵۰۰

یا ۴۸۰ درہم ملے وہی رقم جناب رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کر دی. آپؐ نے کچھ کپڑے اور خوشبو وغیرہ خریدنے کے لئے فرمایا باقی رقم مہر میں ادا کرنے کا حکم دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے بطور جہیز جو سامان دیا وہ یہ تھا: ایک عدد لحاف ایک عدد گدّا چمڑے کا جس کے اندر درخت کی چھال تھی، دو چکیاں آٹا پیسنے کے لئے اور کچھ گندم اور ایک عدد مشکیزہ دو عدد مٹی کے گھڑے۔ (مسند احمد)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس نکاح میں کئی باتیں قابل اتباع ہیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول تھے حکم الٰہی سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا اب امت کے پاس اللہ کا حکم تو نہیں آئے گا لیکن سنّتِ رسول یہ ہے کہ استخارہ کر لیا جائے کہ جب کسی جگہ لڑکے کے لئے کسی کے یہاں پیغام دینا ہو تو استخارہ کر لیا جائے یا لڑکی کے رشتہ کا پیغام آیا تو استخارہ کر لیا جائے اس کے بعد کوئی اقدام کریں۔ استخارہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے مشورہ کرنا اور اس کے لئے ایک دعا ہے، بہشتی زیور (مؤلفہ حضرت مولانا تھانویؒ) کے اندر استخارہ کی حقیقت، طریقہ اور دعا سب مذکور ہیں اس کو دیکھ لیا جائے۔ پھر استخارہ میں خواب آ جائے یا نہ آئے لیکن دل میں کوئی ارادہ پکا ہو جائے اس کے مطابق عمل کریں۔ استخارہ کا عمل صاحبِ معاملہ خود یا اس کے عزیزوں اور متعلقین میں سے کوئی بھی کر سکتا ہے اس کے لئے کسی عالم اور بزرگ سے فرمائش کرنا کہ ہمارے لئے استخارہ کیجئے اگرچہ جائز ہو گا لیکن خلافِ سنّت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں خود استخارہ کرنے کو فرمایا ہے۔

خطبہ اور پیغامِ نکاح کا معیار

دوسری چیز پیغامِ نکاح کے لئے جو دیکھنا ہے وہ یہ کہ اگر لڑکے کا نکاح کرانا ہے

تو لڑکی کے بارے میں کیا معیار اختیار کیا جائے اس بارے میں آئندہ آنے والی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تُنکَحُ النساءُ لِاَربَعٍ لِمَالِهَا، ولِحَسَبِهَا، ولِجَمَالِهَا ولِدِیْنِهَا، فاظفر بذات الدِّین تَرِبَتْ یَدَاكَ. (ابوداؤد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) چار چیزوں کی بنیاد پر عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱) اس کی مالی حیثیت کی بناء پر۔ (۲) اس کی خاندانی شرافت کی بناء پر۔ (۳) اس کے حسن و جمال کی بناء پر۔ (۴) اس کی دین داری اور تقویٰ کی بناء پر۔ لیکن نکاح کرنیوالے کو چاہیئے کہ وہ دین اور دینداری کی بناء پر نکاح کریں۔

تشریح: حدیث سے معلوم ہوا کہ دینداری اور تقویٰ دوسری چیزوں پر مقدم ہے اگر کسی عورت یا لڑکی میں چاروں چیزیں پائی جائیں پھر تو بہت ہی بہتر اور اچھی لڑکی ہے لیکن اگر لڑکی میں سب چیزیں تو ہیں مگر دین نہیں ہے تو اس سے شادی نہ کی جائے اور اگر کوئی چیز نہیں مگر دین ہے تو اس سے بھی شادی کر لینی چاہیئے۔

غرض کہ دین اور دینداری کے بعد دوسری چیزوں کو دیکھا جائے اگر لڑکی دیندار ہے باقی صفات پوری نہیں یا تو بعض ہیں بعض نہیں ہیں اس سے شادی کر لینا چاہیئے لیکن لڑکی اگر خوبصورت ہے، مالدار ہے مگر دین بالکل نہیں ہے یعنی بے ایمان اور کافر ہے اس سے نکاح جائز نہیں ہے حرام ہے اور لڑکی ایماندار اور مسلمان تو ہے لیکن دینی لحاظ سے کمزور ہے اگر اس سے بہتر دین والی لڑکی ملتی ہے تو بہتر دین والی کو ترجیح دیجئے

ایک اور حدیث سے اس کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اور اس کے جملہ ساز وسامان انسان کے لئے اسباب حیات اور متاع زندگی ہیں لیکن ان میں بہتر متاع زندگی نیک اور صالح عورت ہے۔

تشریح : یعنی عورت اگر نیک اور صالح ہو تو پھر زندگی بالکل صحیح گذرے گی، کوئی جھگڑا نہ ہوگا نہ کوئی اختلاف، شوہر کے لئے محبوبہ اور خسر اور ساس کے لئے منظور نظر بنے گی لیکن اگر عورت دیندار نیک اور صالح نہیں ہے جبکہ مالدار ہے، خاندانی ہے، خوبصورت بھی ہے پھر بھی ازدواجی زندگی صحیح نہیں گذرے گی جھگڑا اور فساد ہوتا رہے گا آرام وسکون نہیں ملے گا۔ اس واسطے کہ نیک اور صالح عورت شوہر کی فرمانبردار ہوگی اس کی خدمت کرے گی۔ شوہر کی خیر خواہ، گھر کے مال کی حفاظت کرنے والی بنے گی اپنی عزت وآبرو کی غیر مرد سے حفاظت کرے گی۔ اپنے ساس خسر کی خدمت گذار ہوگی۔ جبکہ بے دین عورت اس کے برعکس شوہر کی مکمل اطاعت نہیں کرے گی اپنے مطلب سے اس کا واسطہ ہوگا شوہر کی خدمت نہیں کرے گی نہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کی فکر کرے گی نہ شوہر کا خیال کرے گی نہ اس کے گھر بار یا مال ومتاع کی فکر کرے گی جب شوہر کے ساتھ اس کا یہ برتاؤ ہوگا تو ساس وخسر کی کیا خدمت کرے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ ایسی عورتوں سے شادی کرو جن کے بچے زیادہ پیدا ہوں اور وہ اپنے شوہر سے محبت کرنے والی ہوں۔

ایاکم وخضراء الدمن فقیل	اور آپؐ نے فرمایا کہ غلاظت کے ڈھیر پر اُگی
وما خضراء الدمن قال المرأة	ہوئی سبزی سے بچو عرض کیا گیا اس کا کیا مطلب!
الحسناء فی المنبت السوء (دار قطنی)	فرمایا بُرے خاندان کی خوبصورت لڑکی سے بچو۔

تخیروا لنطفکم فان العرق دساس ۔ (ابن ماجہ)

فرمایا اپنے نطفے کے لئے اچھا انتخاب کرو اس لئے کہ قرابت کی رگیں آباؤ اجداد سے اولاد کے جسموں میں منتقل ہوتی ہیں ۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی ۔

"بیٹے بُری عورت سے بچتے رہنا کیونکہ وہ تجھے وقت سے پہلے بوڑھا کردے گی ، شریر اور بداخلاق عورتوں سے بھی بچتے رہنا کیونکہ وہ تجھے خیر کی طرف نہیں لائے گی البتہ نیک عورتوں کا خیال رکھنا ان کا لحاظ کرنا ان سے ڈرتے رہنا ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب

اس سے قبل واقعہ گذر چکا ہے کہ آپؓ کے دورِ خلافت میں ایک لڑکی کی ماں نے اپنی بیٹی کو چپکے سے دودھ میں پانی ڈالنے کے لئے کہا تھا لیکن لڑکی نے یوں فرما کر رد کر دیا کہ خدا دیکھ رہا ہے اس سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی اس لئے میں نہیں کرتی حضرت عمرؓ نے (رات کے گشت میں) امت کا حال معلوم کرتے ہوئے جب اس لڑکی اور ماں کی گفتگو سنی ، اس لڑکی کے جواب اور خوف خدا اور دینداری سے بہت متاثر ہوئے اس وقت گھر کے باہر نشان لگا دیا اور تشریف لے گئے ۔ جب صبح ہوئی تو اس لڑکی اور ماں دونوں کو بلایا اور اپنے بیٹے حضرت عاصمؓ کو بلا کر فرمایا کہ اس لڑکی کے دل میں خدا کا خوف ہے ایسی لڑکی ہمارے گھر میں رہنے کے قابل ہے تم اس سے شادی کر لو ۔ لڑکی بھی حضرت عمر کے خاندان میں ، ان کے صاحبزادے سے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہونے کی فرمائش پر بے حد خوش ہوئی ۔ چنانچہ اس کی شادی حضرت عاصم سے ہوگئی اور انہیں کی پاک نسل سے حضرت عمر ثانی عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ راشد پیدا ہوئے ۔ دیکھئے دینداری اور تقویٰ کا صلہ دنیا میں کیا ملا اور اس کے ثمرات کیسے عمدہ ظاہر ہوئے ۔

اس لئے لڑکے اور لڑکی کے انتخاب میں والدین اور سرپرستوں کو چاہیئے کہ دینداری اور تقویٰ کو ترجیح دیں دنیوی امور کو درجہ ثانیہ میں رکھیں۔

لڑکی کا نکاح
ماں باپ یا سرپرست کیا معیار قائم کریں

لڑکے کے معیار کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل حضرت علیؓ کے ساتھ ہے قابل تقلید ہے اور آپؐ کا فرمان جو آگے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن ابی هریره رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا خطب الیکم من ترضون دینهٗ وخلقهٗ فزوجوه ان لا تفعلوه تکن فی الارض فتنةٌ وفساد عریض. (رواه الترمذی بحواله مشکوٰة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری لڑکی کے بارے میں یا لڑکے کے بارے میں کوئی رشتہ ایسا مل جائے کہ جس کی دینداری اور اخلاق پر تم راضی اور مطمئن ہو تو بلا تردد اور بلا تاخیر اس سے اپنی اولاد کا نکاح کر دو اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو زمین کے اندر بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد برپا ہو گا۔

تشریح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی اور لڑکے کے لئے معیار دیندار اور با اخلاق ہونا قرار دیا ہے اور ہدایت دی ہے کہ اگر ایسا لڑکا یا لڑکی مل جاتے تو بلا تردد نکاح کر دو شادی کر دو۔ پھر فرمایا اگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ دین کے بجائے حسن صورت یا دولت اور مال کو دیکھا اونچے خاندان کو دیکھا نکاح میں دیر کی تو اس کے نتیجے میں فتنہ و فسادات پیدا ہوں گے۔ لڑکے اور لڑکیاں گھر میں بیٹھی رہیں گی، گناہ آلود زندگی گذارنے پر مجبور ہوں گی جس سے والدین اور خاندان معاشرہ میں بدنام اور ذلیل ہوں گے، زنا کی کثرت ہو گی، گناہ عام ہو جائے گا۔

نیز عرصہ دراز کے انتظار کے بعد مالدار اور خاندانی لڑکا یا لڑکی مل بھی گئے لیکن ان میں اگر دین نہیں ہے تو مال اور خاندان کے غرور اور تکبر کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں ہم آہنگی اور موافقت نہ ہو گی بات بات میں جھگڑا اور فساد ہوتا رہے گا۔ اس لئے آپ نے فرمایا اگر نیک اور دیندار لڑکا مل جائے تو فوراً رشتہ کر دو۔ اسی طرح لڑکی اگر دیندار اور صالح مل جائے تو اس کو اپنے لڑکے کیلئے قبول کر لو اس میں خیر ہو گی برکت ہو گی

لڑکے کے انتخاب کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد!

"حضرت حسن بصریؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا! حضرت میری لڑکی شادی کے قابل ہے اس کے لئے بہت سے لوگ رشتے کے خواہشمند ہیں اب لڑکے کے انتخاب میں آپ کی رائے کیا ہے۔ فرمایا ایسے لڑکے کا انتخاب کرو کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہو یعنی تقویٰ اور دینداری ہو اور وہ تمہاری لڑکی سے محبت کرے اور اس کی محبت میں تعظیم و احترام کا پہلو بھی ہو کہ کسی وجہ سے ناراض ہو تو ظلم و زیادتی نہ کرے"

عبارت بالکل واضح کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے کہ لڑکا دیندار اور متقی ہو اس کے پاس ضرورت کے مطابق دینی علم ہو اور اپنے علم کے مطابق تقویٰ و طہارت کی زندگی گذار سکے اور اپنی بیوی سے دین و اخلاق کے لحاظ سے محبت کرنے والا ہو حسن و جمال اور مال و منال کی غرض سے محبت کرنے والا نہ بنے کیونکہ دین و اخلاق کے لحاظ سے جب بیوی سے محبت کرنے والا بنے گا تو وہ حدود شرعیہ کی پابندی کرے گا۔ بیوی کی حیثیت اور اس کے مقام کو دیکھے گا۔ اسکے احترام و عظمت کو دیکھتے ہوئے غلطیوں پر تنبیہ تو کرے گا لیکن ظلم و زیادتی نہیں کرے گا۔ لیکن اگر حسن و جمال اور مال و دولت کی بنیاد پر محبت کرے گا تو حسن و جمال میں تغیر سے محبت میں تغیر واقع ہو گا بیوی سے مال و متاع کے حاصل ہونے نہ ہونے پر بیوی سے

برتاؤ کرے گا. پھر اگر دینی علم بھی نہ ہوگا تو ہر روز لڑکی پر ظلم ڈھائے گا اس واسطے حضرت حسن بصریؒ نے مشورہ دیا کہ خدا کا خوف اور تقویٰ جس کے دل میں ہو اور لڑکی سے از روئے دین و تقویٰ محبّت کرنے والا ہو ایسے لڑکے سے شادی کرادینا چاہیئے. ایک بات اور یاد رکھیئے کہ بیوی کی دنیوی ضرورتیں اور خواہشیں تو حتی المقدور پوری کرتا ہو لیکن ابدی زندگی جو قبر سے شروع ہوتی ہے اس کی راحتوں کی فکر نہ رکھتا ہو اور بیوی کے ابدی راحت حاصل کرنے میں غفلت برتتا ہو یہ بھی ظلم بلکہ سب سے بڑا ظلم ہے.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کو دیکھئے اور سبق حاصل کیجئے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بیٹی دے دی آپ کے پاس علم اور تقویٰ تھا مگر مال و دولت کاروبار اور تجارت کچھ نہ تھی یہاں تک کہ رہائش کے لئے مکان تک نہ تھا اور جو مال تھا وہ بھی حق مہر میں دے دیا لیکن جو سکون و آرام کی زندگی انہوں نے گذاری ہوگی دنیا میں اس کی مثال کہاں ملے گی بعد میں مکان بھی ملا اور مال بھی.

مال و دولت تو ایسی چیز ہے جو آج ہے کل نہیں یا آج نہیں کل ہے اس لئے ایسی چیزوں پر اعتماد کر کے اپنی اولاد کے نکاح کو مؤخر کر دینا اور ان کو گناہ آلود زندگی گذارنے پر مجبور کرنا ایک گناہ نہیں بہت سارے گناہوں کا سبب ہے، ایک فتنہ نہیں بلکہ اس سے بہت سارے فتنوں کے دروازے کھلتے ہیں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے.

اوپر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں جو چیزیں خاص قابل ذکر ہیں وہ ایک تو حق مہر کی مقدار کا ذکر ہے اور دوسری چیز سامانِ جہیز کا ذکر ہے.

حق مہر کی مقدار اور اس کی تفصیلات

اس بارے میں جیسا کہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی مقدار ۵۰۰ درہم یا اس کے لگ بھگ تھی جبکہ اکثر ازواج مطہرات کی مقدار مہر بھی ۴۰۰ درہم سے لے کر ۵۰۰ درہم چاندی تک تھی۔

اسی بنا پر فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ۵۰۰ درہم چاندی کی مقدار مہر مقرر کرنا ایک گونہ سنتِ نبوی ہے اور درمیانی درجہ کی مقدار مہر بھی ہے جس کا وزن پاکستانی تولہ کے اعتبار سے ½ ۱۳۱ تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہوتا ہے۔

اس لئے ہمارے معاشرہ میں برادری، جماعتوں اور تنظیموں میں اگر اس کی ترغیب دی جائے تو کیا ہی بہتر ہو کہ جو لوگ صاحبِ حیثیت ہیں وہ ½ ۱۳۱ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کو مہر مقرر کریں البتہ جن لوگوں کی اتنی بھی حیثیت نہیں ہے تو ان کے لئے کم از کم شرعی مہر کی مقدار یعنی دس درہم چاندی یا اس کی قیمت مقرر کریں جو کہ موجودہ حساب سے دو تولہ ساڑھے سات ماشے چاندی یا اس کی قیمت بنتی ہے اور جو لوگ بہت زیادہ حیثیت والے ہیں وہ بھی اگر سنّت پر عمل کریں تو بہتر ہے لیکن اگر حیثیت کے مطابق زیادہ مقدار میں مہر مقرر کرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے جبکہ اس کی ادائیگی ممکن ہو، ادائیگی کا ارادہ اور نیت بھی ہو لیکن جن کی مالی حیثیت اتنی اونچی نہیں ہوتی پھر بھی دکھاوے کے لئے زیادہ مہر مقرر کرتے ہیں اور ادائیگی کی نیت بھی نہیں ہوتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور اس طرح زیادہ مہر مقرر کرنے میں دھوکہ دہی، فریب، خیانت جیسے گناہ بھی ہیں جبکہ حقِ مہر عورت کا شرعی اور مالی حق ہے جو کہ شوہر کے ذمہ تا وقتِ ادائیگی یا معافی واجب الادا رہتا ہے۔ البتہ برضا و رغبت بیوی اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور شوہر کو معاف کر دے تو دوسری بات ہے۔

(۲) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کے ذکر میں دوسری چیز — جو قابلِ اتباع ہے وہ سامان جہیز کا مسئلہ ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے اتنا تو معلوم ہوا کہ سامانِ جہیز کے طور پر ماں باپ یا سرپرست کا اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دینا ثابت ہے اور سنت ہے۔ لیکن آج کل معاشرہ میں شرط و شرائط جبر و اکراہ کے ساتھ جس طرح جہیز کے سامان لینے دینے کا رواج ہے اور اس پر عمل نہ کرنے یا جہیز کے سامان نہ ہونے کی صورت میں شادی تک رک جاتی ہے۔ شرعاً اس کا کوئی جواز یا ثبوت نہیں ملتا بلکہ زبردستی لڑکی کے ماں باپ اور سرپرستوں سے جہیز کا مطالبہ کرنا یا لڑکے کے حق مہر کے علاوہ رقم کا مطالبہ کرنا رشوت اور ناجائز ہے۔

لہٰذا لڑکے کی جانب سے لڑکی والوں پر کسی خاص رقم یا مختلف عنوانات سے سامان جہیز کا مطالبہ یا شرط رکھنا ناجائز و حرام ہے۔ اگر لیا گیا تو یہ رشوت ہے اس کا استعمال ناجائز و حرام ہے اسے واپس کر دینا لازم ہے یا پھر سے اجازت لے لینا واجب ہے۔ البتہ راضی اور خوشی سے لڑکی والے جو کچھ اپنی حیثیت کے مطابق لڑکے کو دے دیں اس کا لینا قبول کرنا جائز ہے مگر اپنی حیثیت سے زیادہ سامان جہیز دینا خواہ دکھاوا کے لئے ہو یا بدنامی سے بچنے کے ارادہ سے ہر جائز نہیں ہے۔ ہاں اس کے بغیر اگر نکاح ہوتا ہی نہیں اور رشتے آتے واپس جاتے ہیں لڑکی کو بلا نکاح گھر میں یوں رکھنے میں فتنے کا خوف ہے تو بوجہ مجبوری برائی کو اختیار کر کے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ لڑکی کے ماں باپ کو گناہ نہ ہوگا لیکن اس طرح مجبور کر کے جہیز کا وصول کرنا لڑکے والوں کے لئے حلال نہیں ہے۔ ان کو ہر حال میں گناہ ہوگا۔ کیونکہ لڑکے والے مجبور نہیں ہوتے بلکہ دنیا کی حرص اور لالچ کی بنا پر لیتے ہیں تو جس طرح دفع ضرر کے لئے

رشوت دینے کی گنجائش ہے رشوت دینے والے پر گناہ نہ ہوگا ایسے حالات میں لڑکی کے ماں باپ اور سرپرست پر بھی مجبوری کے تحت جہیز کا سامان دینے پر گناہ نہ ہوگا لیکن رشوت لینے والے کے لئے چونکہ کوئی مجبوری نہیں ہوتی اس لئے رشوت لینا جس طرح حرام ہوتا ہے لڑکے والوں کے لئے بھی جبراً و مطالبہ کے ساتھ جہیز کا سامان لینا ناجائز و حرام ہوگا۔

اولاد کے سسرال والے والدین کے رشتہ دار ہوتے ہیں ان سے رشتہ داروں جیسا سلوک کرنا والدین کے ذمہ لازم ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نسب کے رشتہ کے بعد شادی بیاہ کی رشتہ داری کو بیان فرمایا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے لہٰذا اس رشتہ داری کا حق ادا کرنا جیسا کہ لڑکے اور لڑکی پر ضروری اور لازم ہے اسی طرح لڑکے اور لڑکی کے والدین پر بھی لازم ہے مثلاً جن مواقع میں دوسرے رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے، یاد کیا جاتا ہے، اولاد کے سسرال والوں کو بھی بلانا اور یاد کرنا چاہیئے جس طرح نسبی رشتہ داروں کی خاطر و تواضع کی جاتی ہے اولاد کے سسرال والوں کے ساتھ بھی خاطر و تواضع کرنی چاہیئے یہ رشتہ داری کا حق ہے اور اس سے صلہ رحمی کا حق ادا ہونے کے ساتھ تعلقات اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ فائدہ بھی ہے کہ اگر رشتہ دار لڑکی کے سسرال والے ہیں تو ان سے اچھے سلوک کرنے سے وہ لوگ لڑکی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کریں گے اور اگر رشتہ دار لڑکے کے سسرال ہیں تو ان سے حسن سلوک کرنے سے وہ لوگ لڑکے کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور یہ کہ تعلق اور محبت میں اضافہ ہوگا لیکن آج کل بعض لوگوں میں یہ ہوتا ہے کہ اولاد کے نکاح کرانے کے بعد والدین اپنی اولاد کے سسرال والوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اولاد کو اچھی بات کی ہدایت نہیں دیتے کہ وہ اپنے سسر اور ساس اور ان کے دوسرے

رشتہ داروں کے ساتھ اچھے سلوک کرے جس کی بناء پر اندر اندر سے باہمی اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ ہوتے ہوتے یہ اختلافات اولاد میں اتر کر جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں اولاد اور ماں باپ کے درمیان اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ اختلافات وسیع سے وسیع تر ہو جاتے ہیں بالآخر جدائی اور تفریق تک کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی طرح بہو کے ساتھ ساس وسسر تعلقات اچھے نہیں رکھتے حالانکہ ساس اسسر کو چاہیے کہ اپنے بہو کے ساتھ اولاد کی طرح حسن سلوک کریں اور ان سے غلطی اگر ہو جائے تو پہلی دفعہ اس پر نکیر نہ کرے، سخت گیری سے کام نہ لیں بلکہ اسے پہلی دفعہ معاف کر دے اور تنبیہ کر دیں۔ دوسری دفعہ بھی معاف کر دیں اور آئندہ کے سلئے تنبیہ کریں تیسری دفعہ بھی معاف کر دیں۔ تنبیہ کرے افضل ہے لیکن اس میں سخت گیری کی گنجائش ہے۔

یعنی جس طرح اپنی حقیقی اولاد کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کیا جاتا ہے اپنی بہو کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کریں لیکن بیشتر لوگ اپنی بہو کے ساتھ ایک اجنبی اور غیر جیسا معاملہ کرتے ہیں۔ ہر بات پر ڈانٹ ڈپٹ سخت گیری سے کام لیتے ہیں، عفو ودرگزر کا نام ہی نہیں لیتے جیسا کہ کسی دشمن یا دشمن کی اولاد ہوتی ہے، پیار کی بات نہیں کرتے نہ حسن سلوک سے کام لیتے ہیں یہ خلاف شریعت اور خلافِ اصول ہے۔ پھر بہو کے ماں باپ اور بہو کے رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات کو ضروری نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے جانبین کے درمیان منافرت اور عداوت شروع ہو جاتی ہے، اور ایسا بھی دیکھا گیا کہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان ازدواجی تعلقات بالکل صحیح ہوتے ہیں لیکن لڑکے اور لڑکی کے رشتہ داروں کے درمیان تعلقات صحیح نہ ہونے کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے درمیان ازدواجی تعلقات متاثر ہوتے ہیں، تفریق تک کی نوبت آجاتی ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ جو حسنِ سلوک کا قرآنی اصول ہے اسے اکثر لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں بلکہ بعض والدین تو نکاح اور شادی کے بعد اولاد کے ساتھ بھی

حسنِ سلوک اور شفقت و محبت نہیں کرتے جو نکاح سے قبل کرتے تھے جس کی وجہ سے
اولاد کے ماں باپ کے ساتھ پہلے کی طرح اچھے تعلقات نہیں رہتے پھر نہ اولاد کے
حقوق کا خیال کیا جاتا ہے نہ اولاد کے سسرال والوں کے حقوق ادا کرتے ہیں جس سے
باہمی فساد اور فتنے پیدا ہوتے ہیں جبکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عزیز و اقارب
کے ساتھ حسن سلوک کرنا لازمی چیز ہے اور اس ضمن میں جانبین کی اولاد میں اگر کوئی
کوتاہی یا کمزوریاں ہوں اس کی اصلاح کے لئے تربیت کرنی چاہیئے کیونکہ اولاد
کی تربیت تو والدین اور سرپرستوں کے ذمہ ہمیشہ ضروری ہے۔ شادی کے بعد
تربیتِ اصلاح کی ذمہ داری ماں باپ اور سرپرستوں سے ختم نہیں ہوتی ۔ لہٰذا اولاد
کی تربیت اور نگرانی کا سلسلہ مسلسل جاری رہنا چاہیئے اور نکاح کے بعد بھی ان
کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیئے جیسا نکاح سے قبل کیا جاتا تھا۔

اولاد کے نکاح اور شادی کے بعد بھی والدین کے ذمّہ ان کی رہنمائی ضروری ہوتی ہے

نکاح اور شادی کے بعد بھی بعض دفعہ والدین کو اولاد کی دینی اور دنیوی
معاملات میں رہنمائی کرنی پڑتی ہے اولاد کو صحیح اور اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں
سے روکنا والدین کے ذمہ ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ شادی کرا دینے کے بعد بعض لڑکے
اور لڑکیاں سدھر جاتے ہیں اپنے رویے اور طور طریقے اور چال چلن کو وہ درست کر
لیتے ہیں۔ لیکن بعض دفعہ لڑکے دینی یا دنیوی اعتبار سے غلط طور پہ چلنے لگتے ہیں پہلے
کے مقابلہ میں چال وچلن میں آزادروی اور بے پروائی آجاتی ہے۔ ایسے حالات میں ان کی
اصلاح کرنا انہیں برائیوں پر ٹوکنا والدین کے ذمّہ ہے مثلاً لڑکی اپنے شوہر اور سسرال
والوں کے ساتھ برتاؤ اچھا نہیں کرتی تو والدین کے ذمہ ضروری ہے کہ اپنی لڑکی کو
سمجھائیں اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں اور لڑکی کی جو جو غلطی معلوم ہو

اس کی اصلاح کرتے جائیں اپنی اولاد کی صفائی نہ کریں بلکہ شکایت پر غور کریں اگر شکایت درست ہے تو اسے سمجھائیں اور شکایت اگر غلط ہے تو اس کی صفائی اور کریں۔ بہر حال اولاد خواہ کتنی بڑی عمر کی ہو اس پر ماں باپ کی سرپرستی اور نگرانی ہونی چاہیئے۔ مثلاً لڑکا اگر اپنی بیوی کے ساتھ یا بہو اگر سسرال والوں کے ساتھ برتاؤ صحیح نہیں کرتا اخلاق سے پیش نہیں آتا یا لڑکا اپنی بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا یا وہ اپنی بیوی پر ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو ماں باپ کے لئے فرض ہے کہ اپنے لڑکے کو ہدایت دیں کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرے اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرے اور اس کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے، اگر والدین نے ایسا نہیں کیا یعنی اپنی اولاد کو بہو پر ظلم و زیادتی سے نہیں روکا اور اس کے حقوق ادا کرنے کی تاکید نہیں کی تو اولاد کی ظلم اور زیادتی کے گناہ میں والدین بھی شامل ہوں گے کیونکہ انہوں نے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا حق ادا نہیں کیا بلکہ ایک گونہ ظلم اور زیادتی کی حمایت کی ہے۔ لہٰذا جیساکہ ظلم کی حمایت کرنے سے آدمی گناہ گار ہوتا ہے۔ اسی طرح ناحق اولاد کا ساتھ دینے میں ماں باپ شریک گناہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح اولاد اگر سسرال والوں کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتی تو والدین اس کی اصلاح کریں۔ علی ہٰذا القیاس اگر لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ یا سسرال والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتی اور ان کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش نہیں آتی تو والدین پر ضروری ہے کہ اپنی لڑکی کو تنبیہ کریں اور اس کو فہمائش کریں اور حسنِ اخلاق اختیار کرنے کا حکم دیں۔ اگر ماں باپ نے اپنی لڑکی کے غلط برتاؤ اور نافرمانی کو دیکھتے ہوئے ان کی تربیت نہیں کی، برائیوں اور غلط روش سے اسے نہیں روکتے تو لڑکی کے ساتھ نافرمانی کے گناہ میں ماں باپ بھی نہ روکنے کی وجہ سے شریک ہوں گے، کیونکہ انہوں نے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا حق اور اولاد کی تربیت کا حق اور سرپرستی کا حق ادا نہیں کیا۔

جبکہ والدین کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو ہمیشہ شوہر کی اطاعت اور اس کی خدمت بجالانے اور اس کو خوش رکھنے کی ہدایت دیتے رہیں اور اپنے سسرال والوں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت دیتے رہیں ۔

اگر شوہر کے یہاں کام کاج زیادہ کرنا پڑتا ہے اولاً اس کو صبر کی تلقین کریں اس کو خدمت، اطاعت اور ایثار و ہمدردی کی تلقین کرتے رہیں اور اگر سسرال میں کام اتنا زیادہ ہے کہ لڑکی بے بس ہو جاتی ہے تو سسرال والوں کو حکمت سے نرمی سے اخلاق کے ساتھ سمجھائیں کہ اس طرح کرنے سے لڑکی پر زیادتی ہو گی اس کے لئے ضرر ہے اس کی صحت کے لئے مضر ہے لہٰذا اس بارے نرمی کریں تو انسانی ہمدردی بھی ہے پھر اس سے تعلقات خراب نہیں ہوں گے ورنہ عورت ذات ہے جب بگڑے گی تو اس کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ غرض نرمی سے لڑکے کے سسرال والوں کو سمجھائیں ان کو کسی قسم کی گرمی نہ دکھائیں ان کے سامنے تکبر اور غرور کا مظاہرہ نہ کریں کیونکہ اس سے معاملہ بگڑتا ہے ۔

لہٰذا بعض لوگوں کا یہ سمجھنا کہ اولاد کے نکاح اور شادی کرادینے کے بعد وہ اولاد کی ذمہ داری سے فارغ ہو گئے ہیں اور اب اولاد کے کسی ناجائز اور غلط کام میں عمل دخل کی ضرورت نہیں ہے یہ غلط اور باطل خیال ہے بلکہ جب تک والدین یا سرپرست زندہ ہیں اولاد کی تربیت کرنا، ان کو نیک باتوں کا حکم کرنا اور ہر بری بات سے روکنا ان کے ذمہ ضروری رہتا ہے۔ قرآن کے دو بنیادی اصول جو کہ تمام انسانوں کے لئے ہر وقت پیش نظر رہنا چاہیئے اور والدین کو تو بطریق اولیٰ ان اصول پر کاربند رہنا چاہیئے (۱) تواصو بالحق (۲) تواصو بالصبر ۔

نیز بعض والدین کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اولاد کی پرورش کر کے جب اس کو بڑا کیا ان کو تعلیم دلائی اور ان کی تربیت کر کے ان کی شادی کرادی اب دینی یا دنیوی

معاملات میں ان کو کچھ کہنے کی ضرورت کیا ہے جبکہ وہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں لیکن یہ بھی خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ ہر انسان کو پوری عمر رہنمائی اور تربیت کی ضرورت رہتی ہے. بعض لوگ جانتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے شیطان کے دھوکہ میں آکر غلطیاں کر لیتے ہیں بعض دفعہ اس کا احساس تک نہیں ہوتا. دوسرے کے بتلانے اور احساس دلانے سے انسان ہوش میں آتا ہے، عقل ٹھکانے پر آتی ہے، نادم ہوتا ہے. پھر اپنی اصلاح کر لیتا ہے.

اس لئے والدین اور سرپرست حضرات کبھی بھی یہ نہ سمجھیں کہ اولاد کی شادی کے بعد یا بڑے ہونے کے بعد اولاد کی تربیت کی ضرورت نہیں رہی یا ان کو نیک باتوں کے لئے حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا لازم نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی یہ ذمہ داری تو ہر انسان پر تاحیات باقی رہتی ہے بلکہ مرتے وقت بھی اپنی اولاد کو یہ وصیت کر کے جانا ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان کے بعد نیک کام کرتے اور برے کام سے پرہیز کرتے رہیں اور یوں وصیت کریں کہ ہمارے گزرنے کے بعد تم لوگ دین اسلام پر قائم رہنا اور اس پر مرنا، دین اسلام پر عمل کرنا اور اس کے احکام کا پابند رہنا، ہمیشہ دین اسلام کی حمایت اور نصرت کرنا، حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد میں کوتاہی نہ کرنا، دوسروں کو نیکیوں کا حکم کرتے رہنا، برائی سے روکنا وغیرہ وغیرہ۔

اگر اولاد اپنے دینی معاملات میں غفلت اور سستی کرنے لگے تو ان کو حکمت سے سمجھانا اور اگر کوئی برائی میں مبتلا ہے تو اس سے روکنا ہر حال میں والدین کے ذمہ ہوتا ہے، یہ وہم کر کے ان کی رہنمائی سے دست کش ہونا کہ اولاد بڑی ہونے کے بعد شادی کرنے کے بعد ٹوکنے کے باوجود راہ راست پر نہیں آتی ہدایت پر عمل نہیں کرتی، ممکن ہے انکار کر دے، عمل نہ کرے تو ان کو ہدایت دینے سے کیا فائدہ؟

اس بارے میں غرض یہ ہے کہ ان کو زبردستی راہ راست پہ لانا اور صحیح باتوں پر عمل کرانا ماں باپ کے ذمہ ضروری نہیں لیکن سمجھانا اور اچھے کام کو اچھا بتلانا اور بری بات کو بُرا بتا دینا اور اچھائیوں اور نیکیوں کی ہدایت کرنا اور بُرائیوں سے روکنے کی کوشش کرنا یہ تو ہر حال میں ضروری امر ہے تاکہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں۔ ہمارا گمان غالب یہ ہے کہ بچپن سے اگر ان کی تعلیم و تربیت صحیح ہو گی تو بہت ممکن ہے بلکہ غالب یہ ہے کہ ماں باپ کی روک ٹوک پر وہ ناراض نہ ہوں گے بلکہ خوش ہو کر اچھائی کو اختیار کرلیں گے اور بُرائی کو چھوڑ دیں گے۔

اولاد کی صحیح تربیّت کا سلسلہ جاری رکھنے کے دور رس نتائج ہوتے ہیں

واضح رہے کہ والدین اور سرپرستوں کی نگرانی اور رہنمائی سے اولاد کی زندگی صحیح ہو گی اور معاشرہ صحیح ہو گا فتنہ و فساد نہ ہو گا گناہوں سے بچنے کی توفیق ہو گی اور یہی اولاد جب نکاح اور شادی کے بعد خود صاحب اولاد بنے گی اپنی اولاد کی تربیت بھی اسی طریقہ اور اسی نہج پر کرے گی جس طرح ان کے والدین نے ان کی تربیت کی چھوٹی عمر میں اور بڑی عمر میں بھی ان کی رہنمائی کی تو یہ اولاد بھی اپنی اولاد کی تربیت اور رہنمائی ہر عمر میں کرے گی اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ صالح معاشرہ برقرار رہے گا، سب کو پاکیزہ اور عفت کی زندگی نصیب ہو گی سکون و اطمینان نصیب ہو گا۔

لیکن والدین اور سرپرستوں نے اگر اس وجہ سے اولاد کی تربیت کرنا چھوڑ دیا کہ وہ بڑے ہو گئے ہیں ان کی شادی ہو گئی ہے تو اس کے بہت بُرے نتائج نکل سکتے ہیں سب سے پہلے تو جوانی کے جوش میں خود یہ اولاد بگڑتی ہے ان کی زندگی دینی تعلیم و تربیت والی زندگی نہیں ہوتی پھر جب ان سے اولاد پیدا ہو گی ان کی تعلیم و تربیت میں بھی وہی حال ہو گا جو ان کے والدین کا ہوا ہے پھر اس سے پورا معاشرہ بگڑ

سکتا ہے فتنہ وفسادات پیدا ہو سکتے ہیں اولاد کی عفت اور پاکیزگی تباہ وبرباد ہو سکتی ہے اور سلسلہ وار یہی اولاد اپنی اولاد کی تربیت نہیں کرے گی تو ان کی اولاد کا حال بھی یہی ہوگا جس سے پورا معاشرہ فتنہ وفساد سے بھر جائے گا آئندہ چل کر کسی کو پاکیزہ زندگی گذارنے کی توفیق ہی نہ ہوگی۔

دیکھئے اولاد کی تربیت نہ کرنے کی وجہ سے کتنے بُرے اثرات نکلے ہیں اور آئندہ نکل سکتے ہیں اسی وجہ سے عرض کیا گیا کہ والدین اور سرپرستوں پر تربیتِ اولاد کی ذمہ داری مرتے دم تک ختم نہیں ہوتی چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا ہ تم اپنے نفس (یعنی خود) کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

یہ حکم والدین اور سرپرستوں کے لئے تا زندگی مسلسل رہتا ہے۔

ایک خطرناک دینی مداہنت

ہمارے موجودہ معاشرہ کے اندر دنیوی معاملات میں یعنی جہاں دنیوی مفادات متعلق ہیں وہاں والدین تھوڑی بہت اپنی اولاد کی رہنمائی کرتے ہیں اور روک ٹوک کرتے ہیں لیکن دینی معاملات میں اتنی نرمی اور مداہنت سے کام لیتے ہیں۔ (الامان والحفیظ) اولاد کو گناہ اور گناہ کی باتوں میں دیکھتے ہوئے انہیں روکتے نہیں۔

مثلاً شریعت کا حکم یہ ہے کہ لڑکیوں کے بالغ ہو جانے کے بعد غیر محارم سے انہیں پردہ کرنا ضروری ہے۔ عورت کا غیر محرم مرد کے ساتھ تنہا کہیں آنا جانا، تنہا ایک کمرہ میں رہنا، وقت گذارنا بلا ضرورت غیر محرم مرد سے گفتگو کرنا اور ان سے مس کرنا یہ سب چیزیں ناجائز اور حرام ہیں۔

محرم اور غیر محرم کی فہرست تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر سورۂ نساء میں

بیان فرمادی ہے یعنی جن لوگوں سے زندگی میں کسی بھی مرحلہ میں نکاح ہوسکتا ہے وہ غیر محرم ہیں ان سے پردہ ضروری ہے اور جن سے نکاح نہیں ہوسکتا وہ محرم ہیں ان سے عمومی پردہ نہیں ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تفصیل اور تشریح اوپر گذر چکی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو عمومی طور پر مردوں کو حکم دیا کہ وہ غیر محرم عورتوں کے پاس نہ جایا کریں اور نہ عورتیں غیر محرم مردوں کے پاس آیا کریں دونوں کا اختلاط اٹھنا بیٹھنا ممنوع فرمایا۔ پھر جب آپؐ سے دیور اور جیٹھ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس سے اتنا ڈرنا جیسا کہ موت سے ڈرتے ہیں۔

اس کی وجہ ظاہر ہے شوہر کے سب بھائی بڑا ہو یا چھوٹا لیکن بالغ گھر میں آتے جاتے ہیں اور گھر میں رہتے ہیں اس کی وجہ سے آمنا سامنا کبھی کبھار ہو جانا لازمی بات ہے اور پھر بے تکلفی ہو جاتی ہے جس سے تعلقات بھی پیدا ہو جاتے ہیں. لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی سے آگاہ کیا کہ دیور سے اتنا بے تکلف ہونا کہ بلا حجاب اس کے سامنے آنا جانا ہو جائے بہت ہی خطرناک بات ہے اس سے شوہر کے دل میں غلط شبہات پیدا ہو سکتے ہیں پھر شیطان دیور اور بھاوج کے درمیان گناہ بھی کرا سکتا ہے اس واسطے ان سے اجنبی مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ڈرنا ضروری ہے جبکہ ہمارے معاشرہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے. عورتیں غیر رشتہ دار اجنبی مردوں سے تو پردہ کرتی ہیں لیکن رشتہ دار اجنبی اور غیر محرم مردوں سے پردہ نہیں کرتیں جن سے گناہ کا اندیشہ کم ہے ان سے پردہ کرتی ہیں اور جن سے گناہ کا احتمال زیادہ ہے ان سے پردہ نہیں کرتیں یہ بہت بڑی دینی مداہنت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت اوپر گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد غیر محرم عورت کے پاس نہیں ہوتا مگر وہاں پر تیسرا شیطان آجاتا ہے اور اس میں شیطان آنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان گناہ کا وسوسہ ڈالتا ہے اور ایسے موقع پر شیطانی خیالات کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے اسی وجہ سے کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بلا ضرورت شرعی اٹھنا بیٹھنا گفتگو کرنا سخت گناہ ہے۔

لہٰذا عورت کو شوہر کے ان رشتہ داروں سے جو کہ عورت کے لئے غیر محرم ہیں، پردہ کرنا ضروری اور فرض ہے لیکن ہمارے معاشرہ میں بھاوج کا دیور سے پردہ نہیں کرایا جاتا ماں باپ اور سرپرست دیکھتے رہتے ہیں کہ بھاوج اور دیور کے درمیان ہنسی مذاق اور دل لگی ہوتی رہتی ہے اور بلا ضرورت تنہائی میں اٹھنا بیٹھنا ہوتا رہتا ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے، ماں باپ اس کا کوئی نوٹس نہیں لیتے بلکہ اکثر کو تو اس کے گناہ ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا ہے۔ مزید افسوس یہ ہوتا ہے کہ بعض والدین اپنی بہوؤں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے دیور یا جیٹھ سے پردہ نہ کریں فَاِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ایسے والدین دیوث اور شیطان کے معاون ہوتے ہیں اور سخت گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بہر حال والدین اور خود شوہر کو ان باتوں کا نوٹس لینا چاہیئے اور دونوں کو شرعی مسئلہ سے آگاہ کرتے ہوئے سمجھا دینا چاہیئے کہ غیر محرم مرد اور عورت کا اختلاط اور تنہائی ناجائز اور حرام ہے۔

دوسری طرف یوں بھی ہوتا ہے کہ لڑکے شادی کے بعد اپنے سسرال کی غیر محرم لڑکیوں خصوصاً سالی اور بیوی کی سہیلیوں سے ملتے ہیں، بے پردہ تنہائی میں گفتگو ہنسی اور مذاق وغیرہ امور کا ارتکاب کرتے ہیں اور بالآخر ایسے بھی بہت سے واقعات ہوئے ہیں کہ سالیوں سے غلط اور ناجائز تعلقات قائم ہو گئے اور

بیوی کو بھی رکھے ہوئے ہوتے ہیں بعض دفعہ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں اور سالی سے رشتہ قائم کر لیتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی کر لیتے ہیں کہ بیوی اور بہن دونوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ یہ سب امور ناجائز ہیں۔

اکثر اوقات والدین اپنی اولاد کی یہ سب حرکات دیکھتے ہوئے بھی منع نہیں کرتے جس سے بے شمار فساد پیدا ہوتے ہیں۔ لڑکا خود زنا کے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنی زندگی کو گناہ آلود بنا لیتا ہے اور سالی یا اس کی سہیلی کی معصومانہ زندگی کو بھی ناپاک اور داغدار بنا دیتا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

لیکن بے غیرتی کی بات یہ ہے کہ ماں باپ اپنے بیٹے کی ان حرکتوں کو دیکھتے ہیں مگر بے دینی ذہنیّت کے تحت یا دینی غفلت اور مداہنت کے سبب یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے برداشت کر لیتے ہیں، روک ٹوک مطلقاً نہیں کرتے حالانکہ والدین کے ذمہ ضروری ہے کہ اپنے بیٹوں کو تنبیہ کریں اور ان کو سمجھائیں اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو جس طرح اولاد گناہ میں مبتلا ہوئی اور گنہگار ٹھہری اسی طرح ماں باپ بھی روک ٹوک نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے اور یہی حال لڑکیوں کا بھی ہوتا ہے شادی سے قبل یا بعد لڑکیوں سے ان کے رشتہ دار لڑکے جو کہ غیر محرم ہوتے ہیں ملنے کے لئے آتے جاتے رہتے ہیں۔ لڑکیاں اپنے رشتہ دار یا غیر رشتہ دار نامحرم لڑکوں کے ساتھ تفریح اور سیر و سیاحت کے لئے جاتی ہیں لیکن بے شمار والدین اور سرپرست لڑکیوں کو ان غلط حرکات و سکنات سے منع نہیں کرتے جس کے نتیجے میں بعض دفعہ غلط تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہی تعلقات بہت سارے فتنوں اور فساد کی بنیاد بن جاتے ہیں۔

بالفرض اگر غلط تعلقات پیدا نہ بھی ہوئے تب بھی اس طرح غیر محرم کے ساتھ بے پردہ تنہائی میں وقت گذارنے اور ایک دوسرے کو پیار و محبّت سے شہوت یا

بدون شہوت کے دیکھنے کا گناہ تو نامۂ اعمال میں لکھا ہی گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محرم مرد کے غیر محرم عورت کو یا غیر محرم عورت کے غیر محرم مرد کو دیکھنے کے متعلق فرمایا:

"غیر محرم کو دیکھنے والے آدمی پر اور جس کو دیکھا جا رہا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔"

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

"اے علیؓ! غیر محرم عورت پر (غیر اختیاری) نظر کے اوپر (دوبارہ اختیاری) نظر مت ڈالا کر! اگر غلطی سے پہلی نظر پڑ گئی تو معاف ہے لیکن دوسری مرتبہ نظر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ غیر محرم عورت کو بلا وجہ عمداً ایک مرتبہ دیکھنا بھی گناہ ہے لیکن اتفاق سے اگر نظر پڑ گئی یا شرعی ضرورت جیسے شہادت کے لئے، قضاء کے لئے، علاج کے لئے ایک مرتبہ دیکھ لیا تو بلا ضرورت دوسری مرتبہ نظر کرنا یا نظر کو جمائے رکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

ایک حدیث میں غیر محرم عورت کے دیکھنے کو آنکھ کا زنا اور اس کے ساتھ ہاتھ سے مس کرنے کو ہاتھ کا زنا اور اس کی طرف بلا ضرورت چل کر جانے کو پاؤں کا زنا قرار دیا گیا ہے۔

لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج کل ہمارے معاشرے میں ان احکام شرعیہ پر عمل نہیں ہوتا، والدین اور سرپرست اس بارے میں اپنی اولاد اور ماتحت پرورش پانے والوں کی تربیت اور رہنمائی نہیں کرتے، جبکہ تعلیم اور تربیت کے ضمن میں پردہ کے متعلق باتیں بھی کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کے حکم میں مذکورہ امور بھی آئے ہیں، بعض والدین تو ایسے بھی ہیں

کہ ان باتوں کو گناہ بھی نہیں سمجھتے جو کہ دین و ایمان سے دوری اور گمراہی کی علامت ہے اور بعض حضرات کو اگر ان گناہ کی باتوں کا احساس ہے لیکن معاشرہ اور ماحول، سوسائٹی سے متأثر ہو کر اپنی دینی حمیت و غیرت کو معاشرہ اور ماحول کے سامنے قربان کر دیتے۔ دینی جذبہ ان کا گناہوں کی وجہ سے ٹھنڈا پڑ چکا ہے۔ بے غیرتی کی بات تو یہ ہے کہ اولاد کی اس بے راہ روی پر کچھ نہ کہنے کو ان کے ساتھ ہمدردی اور رواداری سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا رویہ اختیار کرنا ماں باپ اور سرپرستوں کی ان کے ساتھ ہمدردی اور رواداری نہیں بلکہ سخت ترین دینی و دنیوی دشمنی ہے۔ دینی دشمنی تو ظاہر ہے کہ اس سے احکام شرع ضائع ہوتے ہیں۔ اپنی اولاد کو روک ٹوک نہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ اولاد کسی آگ کے گڑھے میں گر رہی ہے اور ماں باپ دیکھتے رہیں ان کو بچانے کی سعی نہیں کرتے جبکہ ماں باپ کے ذمہ ان کو آگ کے گڑھے سے بچانا ضروری ہے جس طرح ظاہری آگ سے اولاد کو نہ بچانا ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہے اسی طرح اولاد کو جہنّم کی آگ سے بچانے کی فکر نہ کرنا بھی غیر انسانی سلوک ہے اور دنیوی اعتبار سے دشمنی یہ ہے کہ بعض غیر محرموں کے ساتھ اس طرح آزادانہ اور بے حجابانہ تعلقات کے نتیجہ میں گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور معاشرہ اور خاندان کے سامنے ذلیل ہونا پڑتا ہے خود بھی ذلیل اور اولاد کو بھی ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ پھر عزت کے بجائے ذلت کی زندگی گذارنی پڑتی ہے اور چونکہ پردے کے سلسلہ میں بے احتیاطی میں ہمارے مسلمان بھائیوں کے اکثر گھرانے ملوث ہیں اس لئے سطور بالا کو قدرے تفصیل اور مثالوں کے ساتھ لکھا گیا ہے تاکہ بات دل میں اتر جائے اور تا بہ امکان عمل کی توفیق ہو۔

اللہ تعالےٰ ہمیں اور سب مسلمان بھائیوں کو اپنی اولاد کے بارے میں صحیح تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اولاد کی تعلیم و تربیت میں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں بھی آتے ہیں

جس طرح حقیقی اولاد کی تعلیم و تربیت اور ہر اعتبار سے ان کی نگرانی والدین پر ضروری ہے اسی طرح اپنے پوتے پوتیوں کی تعلیم و تربیت باپ دادا سب پر ضروری ہے۔ اگر دادا دادی اور نانا نانی موجود ہیں تو ان کے ذمّہ بھی اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی دینی تعلیم و تربیت میں اپنی اپنی حیثیت اور حالات کے مطابق حصّہ لینا ضروری ہے۔ اگر دادا، دادی، نانا، نانی اپنی اپنی حیثیت اور درجہ میں استطاعت کے مطابق اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کا خیال نہیں کرتے تو والدین کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ میں یہ لوگ بھی گنہگار ہوں گے۔

وآخر دعونا أن الحمد للّٰہ
رب العالمین والصلوٰۃ
والسّلام علیٰ
سیّد الأنبیاء
والمرسلین
وآلہ واصحابہ
أجمعین،